مرحوم وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں، "غالب کی ایک سعی لاحاصل" (حامد اللہ ندوی) میں غالب کی فارسی شاعری کو لاحاصل قرار دینے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے، آخر میں حصہ نظم اور رسالوں کے بعض غالب نمبروں اور غالب سے متعلق کتابوں پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے، اور شروع میں غالب، ان کے مزار، دیوان کے سرورق، اندرونی صفحے اور بعض تحریروں کا عکس اور چند تلامذہ کے فوٹو ہیں، یہ نمبر محنت و کاوش کا نتیجہ اور لائق مطالعہ ہے۔

**غالب فکر و فن** ۔ مرتبہ شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۶۰، قیمت تحریر نہیں، ناشر شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور۔

گورکھپور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے زیر اہتمام دسمبر ۱۹۶۹ء میں غالب پر ایک سمینار منعقد ہوا تھا، اس میں یونیورسٹی کے ملحقہ ڈگری کالجوں کے اردو اساتذہ کے علاوہ حیدرآباد، دہلی، علی گڑھ، لکھنؤ، بنارس اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں کے مختلف شعبوں کے اساتذہ نے شرکت کی تھی، زیر نظر کتاب میں اس سمینار میں پڑھے جانے والے مضامین کا انتخاب شائع کیا گیا ہے، اس میں بالترتیب خواجہ احمد فاروقی، احتشام حسین، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، اسلوب احمد انصاری، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر مغنی تبسم اور ڈاکٹر محمود الہٰی کے مقالات ہیں، یہ سب مضامین غالب کے بارہ میں مفید معلومات پر مشتمل ہیں، پروفیسر اسلوب احمد انصاری، ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر مغنی تبسم کے مضامین زیادہ مبسوط ہیں، خواجہ احمد فاروقی کا افتتاحی خطبہ بھی مضمون ہی جو اردوئے معلی (سوم) میں ہے، شروع میں مجاہد حسین رضوی نے دلچسپ انداز میں سمینار کی روداد سنائی ہے، اس مجموعہ کی اشاعت پر شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی خصوصاً اس کے لائق صدر قابل مبارکباد ہیں۔

"ض"

۲۴۱

جلد ۱۰۸ ۔ ماہ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۷۱ء ۔ عدد ۴

## مضامین

# شذرات

افسوس ہے کہ ملک و ملت کی وہ شمع جو ایک عرصہ سے جھلملا رہی تھی، ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی اور ڈاکٹر سید محمود صاحب نے ۲۸ ستمبر کی صبح کو اس جہان فانی کو الوداع کہا، ڈاکٹر صاحب جیسی جامع اوصاف شخصیتیں کم پیدا ہوتی ہیں، ان میں مذہب و سیاست، علم و فن اور تہذیب و شرافت کا نہایت متناسب اجتماع تھا، شرافت اور وضعداری کا تو مجسم پیکر تھے، آخر کے چند برسوں کو چھوڑ کر جب وہ بالکل معذور ہو گئے تھے، ان کی پوری زندگی ملک و وطن اور قوم و ملت کی خدمت میں گذری، وہ ابتدا سے کانگریسی اور پنڈت جواہر لال نہرو کے پرانے رفیق تھے، ان دونوں کے تعلقات اتنے عزیزانہ تھے کہ ڈاکٹر صاحب پنڈت جی کے گھر کے ایک فرد سمجھے جاتے تھے، جنگ آزادی میں ان کے دوش بدوش حصہ لیا، اور ان کے ساتھ قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں، آزادی کے بعد صوبہ بہار کے وزیر تعلیم، پھر مرکزی حکومت میں وزیر مملکت برائے امور خارجہ ہوئے، چند سال پہلے تک راجیہ سبھا کے ممبر تھے، پھر اپنی معذوریوں کی وجہ سے اس سے بھی الگ ہو گئے تھے ان کا آخری کارنامہ مجلس مشاورت کا قیام ہے، اس کو انھوں نے ہندو مسلم اتحاد، ان دونوں کے درمیان غلط فہمیوں کے ازالہ اور ملک و ملت کی مشترک خدمت کے لیے قائم کیا تھا، اور ابتدا میں بڑی سرگرمی سے اس کے کاموں میں حصہ لیا، اور ضعف پیری کے باوجود ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا، جس کا ملک کی فضا پر بہت اچھا اثر پڑا، لیکن پھر مجلس مشاورت کی پالیسی میں بعض ارکان سے اختلاف کی بنا پر اس سے الگ ہو گئے، اور چند دنوں سے شیعہ سنی اتحاد کی کوشش میں تھے۔

---

وہ اگرچہ ابتدا سے کانگریسی اور اس کے نہایت ممتاز رہنما تھے، اور آخر تک اس پر قائم رہے، لیکن اس سے ان کے مذہبی و ملی جذبہ میں فرق نہیں آیا تھا، ان کے دل میں مذہب و ملت کے لیے بھی وہی تڑپ تھی جو ہندوستان کی آزادی کے لیے تھی، مگر ان کی رائے میں مسلمانوں



کے مسائل کا حل اکثریت سے مل کر اور ان کی مدد ہی سے ہو سکتا تھا، مجلس مشاورت کے قیام کا مقصد بھی یہی تھا، جو پورا نہ ہو سکا، وہ عملاً پابند مذہب تھے، ان کو مولانا آسی سکندر پوری سے عقیدت تھی، بلکہ شاید ان سے بیعت بھی تھے، اس لیے ابتدا سے ان پر مذہب کا اثر اور تصوف کا ذوق تھا، اور آخر میں یہ رنگ اور گہرا ہو گیا تھا، مولانا آسی کا عارفانہ کلام بڑے تاثر سے پڑھا کرتے تھے، بزرگوں سے عقیدت رکھتے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

---

اس مختصر تحریر میں ان کے اوصاف و کمالات اور سیاسی و قومی خدمات کی تفصیل کی گنجایش نہیں، اس پر بہت سے لکھنے والے لکھیں گے، معارف میں بھی انشاء اللہ مستقل مضمون لکھا جائے گا، اس وقت دار المصنفین سے ان کا تعلق دکھانا مقصود ہے، ان کے اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے گہرے دوستانہ تعلقات تھے، وہ علمی ذوق بھی رکھتے تھے، اس لیے دار المصنفین سے بھی ان کو بڑا لگاؤ تھا، وہ اس کی مجلس انتظامیہ کے پرانے رکن تھے، پھر اس کے صدر ہو گئے تھے، اور پابندی سے اس کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے، سوگھر پور ضلع اعظم گڑھ میں ان کی قرابت اور جائداد تھی، اس سلسلہ میں بھی ان کا اعظم گڈھ آنا ہوتا رہتا تھا اور قیام دار المصنفین میں رہتا تھا، جب تک رہتے بڑی پر لطف صحبت رہتی، سیاسی، علمی، مذہبی ہر قسم کے مسائل پر گفتگو ہوتی، ان میں ان کے بعض تفردات بھی تھے، ان کا حافظہ بڑا قوی تھا، ان کا دماغ پرانی یادوں کا خزانہ تھا، اس سے ہم لوگوں کے معلومات میں بھی اضافہ ہوتا تھا، سید صاحب اور مولانا مسعود علی صاحب کے بعد ان کی حیثیت دار المصنفین کے بزرگ خاندان کی ہو گئی تھی، اور وہ ہم لوگوں سے اپنے عزیزوں ہی کی طرح محبت کرتے تھے۔

---

ان کی ذات سے دار المصنفین کو بڑے فوائد پہنچے، انھوں نے اپنے اثر سے ایک مرتبہ دس ہزار اور دوسری مرتبہ پچاس ہزار سعودی عرب سے دلوائے، وہ کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ دار المصنفین مالی حیثیت سے اس قدر مضبوط ہو جائے کہ پھر اس کو کسی کی

امداد کی احتیاج باقی نہ رہی، اس لیے انھوں نے کویت جانے کا پروگرام بنایا تھا، ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اس عمر میں آپ سے اتنا لمبا سفر کیسے ہو سکے گا، فرمایا تبدیلی آب و ہوا سے میری صحت زیادہ ٹھیک رہتی ہے، اور زیادہ تر و تازہ رہتا ہوں، ان کا یہ بھی ارادہ تھا کہ دارالمصنفین میں قیام کر کے اپنے پیش نظر علمی کاموں کو پورا کریں گے، دارالمصنفین کے متعلق اور بھی منصوبے تھے، مگر یہ سارے منصوبے دل ہی میں رہ گئے، اور ان کا وقت آخر ہو گیا، وہ پرانی یادگاروں میں تھے، اس لیے کانگریس اور مرکزی حکومت کے ارکان دونوں ان کا احترام کرتے اور ان کی باتوں کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ مسز اندرا گاندھی خاص طور سے ان کو اپنا بزرگ سمجھتی تھیں، اس اثر سے انھوں نے دارالمصنفین کو بڑا فائدہ پہنچایا، افسوس کہ یہ سہارا ختم ہو گیا، لیکن اصلی اور حقیقی سہارا تو ایک ہی ہے۔ وعلیہ التکلان۔

---

اس ضعف پیری میں بھی جب کہ ان کے قویٰ جواب دے چکے تھے، ان کا دماغ پورا کام کرتا تھا، اور ان کی ہمت، حوصلے اور قوت عمل کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، مگر ان کے سارے ہم نوا و ہم صفیر اٹھ چکے تھے اور وہ اس انجمن میں اپنے کو تنہا محسوس کرتے تھے، ہندوستان کے حالات سے بھی بہت شکستہ خاطر تھے اور حسرت و افسوس کے ساتھ ان کا ذکر کیا کرتے تھے، ادھر کئی مہینوں سے ان کی حالت خراب تھی، جولائی میں تو زندگی سے بالکل مایوسی ہو گئی تھی، ان کی حالت سن کر راقم اور صباح الدین صاحب ان کو دیکھنے کے لیے دلی گئے تھے، مگر ہمارے دوران قیام میں برابر بیہوش رہے، اور ہوش میں ان سے ملاقات نہ ہو سکی، مگر اس کے بعد پھر حالت سنبھل گئی تھی، لوگوں کو پہچاننے اور باتیں کرنے لگے تھے۔ شروع اکتوبر میں بعض ضرورتوں سے پھر ہم دونوں کا دلی سفر ہونے والا تھا، خیال تھا کہ اس مرتبہ ہوش میں ملاقات ہوگی کہ ۲۸ ستمبر کی صبح کو دلی ریڈیو اسٹیشن نے ان کی وفات کی غمناک خبر سنائی اور یہ آرزو دل ہی میں رہ گئی، البتہ ان کے مزار پر حاضری ہوگی، انکی وفات دارالمصنفین کے لیے تنہا قومی نہیں بلکہ ذاتی حادثہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ ملک و وطن کے اس خادم اور قوم و ملت کے اس غمخوار کی مغفرت اور عالم آخرت میں مقام محمود عطا فرمائے۔

والبقاء للہ وحدہٗ



# مقالات

## اقبال کی تعلیمات پر ایک نظر

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

اقبال مفکر اور فلسفی بھی تھے اور راسخ العقیدہ مسلمان بھی، ارکان اسلام کے بارہ میں ان کے عقائد بالکل ایک ٹھیٹھ مسلمان کے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے کلام میں جا بجا حکمائے اسلام پر طنز و تعریض کی ہے، لیکن ان کے مخاطب عوام و خواص دونوں تھے، انکا مقصد مذہب کے متعلق مغربی افکار و تصورات کے طلسم کو توڑنا اور مسلمانوں کی مغرب زدہ نئی نسل میں خصوصیت کے ساتھ اسلامی رنگ پیدا کرنا تھا، اس لیے انھوں نے دونوں کی زبان میں گفتگو کی ہے، ٹھیٹھ اسلام بھی پیش کیا ہے اور اس کی تعلیمات کی حکیمانہ تعبیریں بھی کی ہیں، ان کی حکیمانہ تعلیمات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن ٹھیٹھ اسلامی تعلیمات پر کم لکھا گیا ہے، اس لیے اس مقالہ میں ان کی دوسری تعلیمات کے ساتھ اسلام کے بنیادی ارکان توحید، رسالت، وحی، قرآن اور اسلامی شریعت وغیرہ کے متعلق ان کے خیالات خصوصیت کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں، یہ مقالہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے توسیعی خطبات کے سلسلہ

میں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کی صدارت میں آخر ستمبر ۱۹۷۱ء میں پڑھا گیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ اُن پر دینی و اخلاقی انحطاط بھی طاری ہو گیا تھا، آخری دور کے تیموری سلاطین میں کوئی دم باقی نہ رہ گیا تھا، پورے ملک میں بدنظمی اور انقلاب برپا تھا، صوبوں میں نئی نئی طاقتیں ابھر رہی تھیں، اور بعض میں آزاد حکومتیں قائم ہو گئی تھیں، تیموری سطوت دم توڑ چکی تھی، یہی حال مذہب و اخلاق کا بھی تھا، مسلمانوں سے مذہبی روح ختم ہو چکی تھی، مذہب کے نام پر اوہام اور بدعات کا دور دورہ تھا، پوری قوم فکر فردا سے غافل تعیشات و تفریحات میں غرق تھی، علماء پر جمود طاری تھا، علم و فن کے وہ سرچشمے جن سے ملت کی کشتِ حیات سیراب ہوتی تھی خشک ہو چکے تھے، اور اس کا پورا شیرازہ برہم ہو رہا تھا، علماء میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کو اس کا احساس ہوا، انھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کی، مگر اس کا کوئی فوری نتیجہ نہ نکلا، مگر آئندہ چل کر ان کے لگائے ہوئے پودے نے برگ و بار پیدا کیے، ان کے پوتے مولانا اسماعیل شہیدؒ اور شاہ عبد العزیزؒ کے شاگرد مولانا سید احمد بریلویؒ نے دینی اصلاح و تجدید کے ساتھ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی سیاسی عظمت کے قیام کے لیے علم جہاد بلند کیا، اور چند دنوں کے اندر بنگال سے لیکر صوبہ سرحد تک اس کا پورا نظام قائم کر دیا، اس وقت پنجاب میں سکھوں کا اقتدار تھا جنھوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا، اس لیے پہلی ٹکر اُن ہی سے ہوئی، اور کئی سال تک ان سے مقابلہ کا سلسلہ جاری رہا، اور مولانا اسماعیل اور مولانا سید احمد بریلوی نے اس راہ میں شہادت حاصل کی، اس تحریک کا خاتمہ بظاہر ناکامی پر ہوا، مگر دینی حیثیت سے اس کے بڑے مفید نتائج نکلے، مولانا اسماعیل شہید کی تصانیف و مواعظ سے مسلمانوں



کے ایک طبقہ میں بدعات اور مشرکانہ رسوم کا خاتمہ ہو گیا، اور جہاد کی تحریک نے ان میں احیائے دین کے لیے جانبازی کی روح پیدا کر دی جن کو ان کے پیروؤں نے عرصۂ دراز تک جاری رکھا، تاآنکہ انگریزوں نے اپنے تسلط کے بعد ظالمانہ طریقہ سے اس کا خاتمہ کیا، اس لیے آج بھی ہندوستان میں توحید اور دین خالص کی جو کرن نظر آتی ہے وہ انھی نفوسِ قدسیہ کا فیض ہے۔

اس زمانہ میں انگریزوں کی قوت ابھر چکی تھی، جو مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھی، وہ علم و سائنس کے اسلحہ سے مسلح اور اس کے جلو میں مغربی علوم کی فوج اور ایک نظر فریب تہذیب تھی، اس نے محض سیاسی نہیں بلکہ ذہنی اور دماغی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کی، مسلمانوں کے زوال و پستی اور جمود و بے عملی کے باوجود ان میں اپنے مذہب اور اپنی تہذیبی برتری کا پورا احساس باقی تھا، لیکن مغربی علوم اور مغربی تہذیب نے ان میں ایسا احساس کمتری پیدا کر دیا کہ ان کا مذہب اور ان کی تہذیب و روایات بھی خطرہ میں پڑ گئے، اس کا مقابلہ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء، مولانا شبلی اور علماء کی ایک جماعت نے اپنے اپنے طریقہ پر کیا اور بعض حیثیتوں سے اس میں کامیابی بھی ہوئی، لیکن مغربی علوم کا حملہ مختلف سمتوں سے تھا، اور ہر محاذ پر مقابلہ کی صلاحیت ان میں سے کسی میں نہ تھی، اس لیے مغربی علوم اور مغربی تہذیب کی یلغار کا پورا مقابلہ نہ ہو سکا، سرسید احمد خاں اور ان کی جماعت میں اخلاص اور مسلمانوں کی ہواخواہی کے باوجود دینی بصیرت نہ تھی، انھوں نے صرف تعلیم جدید اور جدید خیالات اور مغربی تہذیب سے ہم آہنگی اور انگریزوں سے مفاہمت کو مسلمانوں کے مرض کا مداوا سمجھا، اس سے مسلمانوں کو دنیاوی فوائد تو ضرور حاصل ہوئے

اور ان کی گرتی ہوئی حالت سنبھل گئی، مگر مذہبی حیثیت سے نقصان پہنچا، علماء نے صرف مروجہ دینی تعلیم کے ذریعہ جو بڑی حد تک بیجان ہو چکی تھی، اور مغربی تعلیم کے اثرات و نتائج کے مقابلہ سے قاصر تھی، اس سیلاب کو روکنا چاہا، مگر اب دین کی حفاظت جدید علوم اور نئے خیالات و رجحانات سے واقفیت کے بغیر ممکن نہ تھی، جس سے دینی طبقہ تہی دامن تھا، اس لیے ان کی کوششوں سے ایک حلقہ میں تو دین کی حفاظت ہوگئی، لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر اس کا اثر نہ ہو سکا، اور اس میں مغربی علوم اور مغربی تہذیب کے اثرات پوری طرح پھیل گئے، علماء کی جماعت میں مولانا شبلی کی تصانیف نے ایک حد تک ان اثرات کو روکا اور مسلمانوں میں ان کی دینی اور تہذیبی برتری کا احساس پیدا کیا،

مصلحین کے اس سلسلہ کی ایک زریں کڑی اقبال ہیں، وہ راسخ العقیدہ مومن تھے، اگرچہ وہ رسمی طور سے عالم نہ تھے، لیکن مذہب اسلام اور اسلامی تاریخ و تہذیب کے ہر پہلو پر ان کی نظر بہت سے علماء سے زیادہ گہری اور وسیع اور حکیمانہ و فلسفیانہ تھی، وہ مغربی علوم و افکار اور اس کے فلسفوں سے پوری طرح واقف اور ان میں ناقدانہ بصیرت رکھتے تھے، جدید تعلیم و تہذیب کے عیب و ہنر سے پوری طرح آگاہ تھے، اس لیے اس دور میں جتنے مصلحین پیدا ہوئے، ان میں سب سے زیادہ جامعیت اور مغربی تہذیب کے مقابلہ کی صلاحیت اقبال میں تھی۔

اس جامعیت کے ساتھ ان کو اللہ تعالیٰ نے دین میں رسوخ، مذہب و ملت کی سچی تڑپ اور شاعری کی الہامی زبان عطا فرمائی تھی، اور وہ صحیح معنوں میں "الشعراء تلامذۃ الرحمٰن" اور ان کی شاعری "ان من الشعر لحکمۃ" کی مصداق تھی، انھوں نے اپنی شاعری سے "عصائے موسیٰ" اور "ید بیضا" دونوں کا کام لیا، اور مغربی تہذیب اور جدید افکار کی



پر تیشہ چلایا، اس کے ایک ایک عیب کو بے نقاب کیا، اسلام کو بڑے حکیمانہ انداز میں پیش کیا، دین سے مسلمانوں کا رشتہ جوڑا، ان کی مردہ رگوں میں زندگی کی روح اور دین کی حرارت پیدا کی، ان کے ایک ایک مرض کی نشاندہی کی، اس کا علاج بتایا، ملت اسلامیہ کو اس کے اصل منصب سے آگاہ کیا، کہ وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، اس کا کام دوسروں کی تقلید نہیں بلکہ پوری دنیا کی امامت اور ہدایت و رہنمائی ہے، ان میں اولوالعزمی اور حوصلہ مندی پیدا کرنے کی کوشش کی، جس نے ان کو ایک زمانہ میں اقوام عالم کا معلم بنا دیا تھا، اور مغربی دنیا کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ عالم انسانیت کا اصل مذہب اسلام ہے، اور اسی پر اس کی فلاح منحصر ہے۔

ان کی حکیمانہ شاعری نے ہندوستانی مسلمانوں کے خیالات میں بڑا انقلاب پیدا کر دیا، مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اس کے برے اثرات کو روکا، ان میں اپنی دینی و ملی برتری کا احساس پیدا کیا، اور یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ مسلمانوں خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ذہنی و فکری اصلاح و تجدید میں دور جدید کے تمام مصلحین میں سب سے بڑا حصہ اقبال کا ہے، یوں تو ہر صنف کے مصلحین نے اپنی اپنی صنف میں مفید اصلاحیں کیں، اور اس کے اچھے نتائج نکلے لیکن جو گیرائی اور جامعیت اقبال میں ہے، اس کی مثال دور جدید کے کسی مصلح میں نہیں ملتی، انھوں نے مسلمانوں کے تمام قابل اصلاح پہلوؤں اور اسلامی تعلیمات کو ایسے حکیمانہ اور رنگا رنگ انداز میں پیش کیا کہ ان کا انتخاب دشوار اور اس کی تفصیل کے لیے ضخیم مجلدات کی ضرورت ہے، اس لیے اس مقالہ میں صرف بنیادی امور و مسائل پر اجمالی گفتگو کی جائے گی، اس سے پہلے چند باتیں پس منظر کے طور پر کہہ دینا ضروری ہے۔

دنیا کے تمام الہامی مذاہب کا مقصد، خدا شناسی کی تعلیم اور انسانوں کی ہدایت و رہنمائی تھی، اور ان سب نے اپنے اپنے زمانہ کے حالات و ضروریات کے مطابق اس فرض کو انجام دیا، لیکن ان مذاہب کا دائرہ اور ان کی تعلیمات محدود تھیں، اور امتدادِ زمانہ سے ان سب کا اثر ختم ہو چکا تھا، ظہور اسلام سے پہلے سچی خدا شناسی کا کہیں وجود نہ رہ گیا تھا، کہیں ستاروں کی پوجا تھی، کہیں دیوی دیوتاؤں کی، کہیں انسانی دولت و قوت کی، حیوانات اور شجر و حجر تک مسجود ملائک کے معبود بن گئے تھے، اخلاق و روحانیت کا چراغ گل ہو چکا تھا، نفس پرستی اور وحشیانہ طاقتوں کا دور دورہ اور ہر کمزور اور ادنیٰ طبقہ اپنے سے اعلیٰ اور طاقتور طبقہ کا غلام تھا، انسانی شرافت کا بالکل خاتمہ ہو چکا تھا، خالص دنیاوی اور مادی حیثیت سے بھی انسانوں کے لیے کہیں جائے پناہ نہ رہ گئی تھی، اگر کہیں اخلاق و روحانیت کی کوئی کرن نظر آتی تھی تو ترکِ دنیا، نفس کشی اور جسمانی اذیت کی شکل میں جس کا تحمل انسانی طاقت سے باہر ہے

انسانیت کی اس شب تار میں اسلام کا ظہور ہوا، اس کا مقصد سچی خدا شناسی کو زندہ کرنا، خدا سے انسانوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنا اور سیکڑوں آستانوں پر جھکنے والی گردنوں کو ایک خدائے واحد کے سامنے جھکانا اور پورے عالم انسانیت کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے اخلاق و روحانیت کے نور سے منور کرنا تھا، اس کی دعوت "کافۃً للناس" یعنی سارے عالمِ انسانیت کے لیے تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا امتیاز نسل و رنگ اور ملک و وطن دنیا کی تمام قوموں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث ہوئے تھے، "بُعِثْتُ الی الاسود والاحمر"، آپ کی ذات رحمۃ للعالمین تھی، "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" اس لیے اسلام کی تعلیمات میں بھی وہی آفاقیت اور ہمہ گیری ہے، اس نے ایک ایسی امت پیدا کی



جو اقوام عالم کے لیے نمونہ اور اس کی ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داری سے گرانبار تھی،

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
تامرون بالمعروف وتنھون
عن المنکر وتومنون باللہ

مسلمانو! تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیدا کیے گئے، تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو، بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً
لتکونوا شھداء علی الناس ویکون
الرسول علیکم شھیداً

اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں کے (اعمال) کے گواہ رہو اور رسول تمہارے (اعمال) گواہ رہیں۔

اقبال نے اسلام کے اس پیام اور امت اسلامیہ کے عناصر ترکیبی اور اس کے اوصاف و خصوصیات اور منصب و مقام کو بڑے حکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے، جن کی بدولت وہ خیر امت کے لقب سے ملقب ہوئی، اور جنھوں نے ایک زمانہ میں اس کو ساری دنیا کا معلم و امام بنا دیا تھا، اور آیندہ بھی اس کو اسی کے ذریعہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔

**ملت اسلامیہ کا سنگ اساس توحید و رسالت ہے**

دوسری تمام قوموں اور ملتوں کی بنیاد نسل و وطن پر ہے، اس لیے وہ قومی اور جغرافیائی دائروں میں محدود ہیں، لیکن اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، وہ ساری دنیا کی ہدایت کے لیے آیا ہے، اس لیے اس نے ملت اسلامیہ کی بنیاد نسل و وطن کے بجائے چند بنیادی صداقتوں پر رکھی، ان میں سب سے مقدم توحید و رسالت ہیں، مسلمان کسی وطن کا پابند نہیں، اس کا وطن ساری دنیا ہے،

جوہر ما با مقامے بستہ نیست
بادۂ تندش بجامے بستہ نیست

ہندی و چینی سفالِ جامِ ماست — رومی و شامی گلِ اندامِ ماست
قلبِ ما از ہند و روم و شام نیست — مرز و بوم او بجز اسلام نیست
عقدۂ قومیتِ مسلم کشود — از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حکمتش یک ملتِ گیتی نورد — بر اساسِ کلمۂ تعمیر کرد
تا ز بخششہائے آں سلطانِ دیں — مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمیں
ہر کہ از قیدِ جہات آزاد شد — چوں فلک در شش جہت آباد شد

**توحید** ملت اسلامیہ کا سنگ اساس اور اس کی طاقت کا سرچشمہ توحید ہے، اسکی ساری تاب و تواں اسی سے وابستہ ہے۔ توحید کامل یہ ہے کہ خدا کو ایک مانا جائے، اس کی کسی صفت میں دوسری طاقتوں کو شریک نہ کیا جائے، صرف اسی کو قادرِ مطلق اور متصرف فی الکائنات یقین کیا جائے، یعنی ہر چیز اسی کے اختیار میں ہے، وہی ساری احتیاجوں کا پورا کرنے والا ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری طاقتیں ہیچ ہیں، حتیٰ کہ اولیاء و انبیاء تک عاجز و درماندہ ہیں۔ اس یقین کے بعد انسان کی نگاہ میں دنیا کی کسی طاقت کی وقعت باقی نہیں رہتی، ان کا خوف اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اس کی نگاہ بلند ہو جاتی ہے، اور وہ صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کی گردن خدا کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتی، اور اس میں اتنی طاقت اور خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ مافوق الفطرت کارنامے انجام دینے لگتا ہے۔ اس لیے توحید ملتِ اسلامیہ کی جان اور اس کی شیرازہ بند ہے، اسی سے اس میں وحدت و یکرنگی پیدا ہوتی ہے۔

اقبال کے نزدیک عقل کو بھی توحید ہی سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ گم کردہ راہ رہتی ہے، اور منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتی، دین و حکمت، آئین و قوانین،



زور و قوت اور غلبہ و اقتدار سب کا سرچشمہ توحید ہے، اسی کے بدولت پست، بلند اور حقیر خاک اکسیر کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ اس کی طاقت سے غلام معزز و محترم اور بالکل دوسرا انسان بنجاتا ہے، حق کی راہ میں اس کی جد و جہد تیز اور اس کے خون میں بجلی کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے، خوف اور شک و شبہات کافور ہو جاتے ہیں، زندگی سراسر عمل بنجاتی ہے، انسانی نگاہ کائنات کے اسرار کا مشاہدہ کرنے لگتی ہے، جب انسان کی عبدیت کا مقام مستحکم ہو جاتا ہے تو گداگری کا کاسہ بھی جام جم بنجاتا ہے۔ اس لیے ملت بیضا جسم ہے اور لا الٰہ اس کی جان ہے، مسلمان کے ساز کا مضراب، اس کے اسرار کا سرمایہ اور اس کا مشغلہ اور فکر لا الٰہ ہی ہے، جب توحید زبان سے دل میں اترتی ہے، تو طاقت و توانائی بن جاتی ہے، ملت کا وجود دلوں کی وحدت و یکرنگی سے وابستہ اور اس کا سینہ اسی ایک جلوہ سے روشن ہے، اس لیے اس کے افکار و تصورات، جذبات و خیالات، مدعا و مقصود اور خوب و زشت کے معیار میں وحدت ضروری ہے، توحید ہی کی نعمت سے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی اور ایک دل، ایک زبان اور ایک جان بن گئے،

در جہانِ کیف و کم گردید عقل — پے بہ منزل برد از توحید عقل
ورنہ ایں بیچارہ را منزل کجاست — کشتیِ ادراک را ساحل کجاست
دین ازو، حکمت ازو، آئیں ازو — زور ازو، قوت ازو، تمکیں ازو
پست اندر سایہ اش گردد بلند — خاک چوں اکسیر گردد ارجمند
قدرت او برگزیند بندہ را — نوعِ دیگر آفریند بندہ را
در رہِ حق تیز تر گردد تگش — گرم تر از برق، خوں اندر رگش
بیم و شک میرد، عمل گیرد حیات — چشم می بیند ضمیرِ کائنات

چوں مقامِ عبد مستحکم شود　　کاسۂ دریوزہ جامِ جم شود

ملتِ بیضا، تن و جاں لا الٰہ　　ساز مارا پردہ گرداں لا الٰہ

لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما　　رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما

حرفش از لب چوں بدل آید ہمی　　زندگی را قوت افزاید ہمی

ملت از یک رنگیٔ دلہاستے　　روشن از یک جلوہ ایں سیناستے

ما ز نعمت ہائے او اخواں شدیم

یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم　　(رموزِ بیخودی)

ایک دوسرے مقام پر توحید اور ملتِ اسلامیہ کی وحدت اور اس کے فوائد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ　　با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

اہلِ حق را حجت و دعویٰ یکیست　　خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکیست

ذرہ ہا از یک نگاہی آفتاب　　یک نگہ شو تا شود حق بے حجاب

یک نگاہی را بچشمِ کم مبیں　　از تجلی ہائے توحید است ایں

ملتے چوں می شود توحید مست　　قوت و جبروت می آید بدست

مردۂ از یک نگاہی زندہ شو　　بگذر از بے مرکزی پایندہ شو

وحدتِ افکار کردار آفریں

تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں

یعنی ملت نام ہے لا الٰہ کے اقرار اور آنکھوں کی کثرت کے باوجود وحدت نگاہ کا، اہلِ حق کے دعویٰ اور دلیل میں یکسانیت ہوتی ہے، گو ان کے جسم جدا جدا ہوتے ہیں، لیکن ان کا دل ایک ہوتا ہے، نگاہ کی وحدت سے ذرے آفتاب بن جاتے ہیں، اسلیے وحدت نگاہ پیدا کرو، اسی سے حق کا چہرہ بھی بے نقاب ہوتا ہے، یک نگاہی کو حقیر اور معمولی چیز نہ سمجھو، یہ توحید کی تجلی کا کرشمہ ہے، جب کوئی ملت بادۂ توحید سے سرشار ہو جاتی ہے تو قوت و جبروت اس کے قبضۂ قدرت میں آجاتے ہیں، تم مردہ ہو یک نگاہی کے آبِ حیات سے زندگی اور لامرکزیت کو چھوڑ کر مرکز وحدت کے ذریعہ دوام و استحکام حاصل کرو، وحدت افکار ہی کردار آفریں ہے، اسی کے ذریعہ دنیا کو زیرنگیں کر سکتے ہو،

توحید برق جہاں سوز بھی ہے اور بارانِ رحمت بھی، ایک طرف وہ ہر باطل کو پاش پاش اور ہر فتنہ و شر کا قلع و قمع کر دیتی ہے، دوسری طرف عالمِ انسانیت کو خیر و صلاح سے معمور اور علم و عرفان کی روشنی سے منور کر کے ایک دنیا بساتی ہے۔

نکتۂ می گویم از مردانِ حال　　امتاں را "لا" جلال "الا" جمال

تا ز رمزِ لا الٰہ آید بدست　　بندِ غیر اللہ را نتواں شکست

در جہاں آغازِ کار از حرفِ لاست　　ایں نخستیں منزلِ مردِ خداست

ملتے کز سوز او یکدم تپید　　از گلِ خود خویش را باز آفرید

پیشِ غیر اللہ لا گفتن حیات　　تازہ از ہنگامۂ او کائنات

ہر کرا ایں سوز باشد در جگر　　ہوش از ہولِ قیامت بیشتر

ضرب او ہر بود را سازد نبود　　تا بروں آئی ز گردابِ وجود

اسی توحید کی بدولت مسلمانوں نے پرانی بوسیدہ دنیا کو زیر و زبر کر کے نیا جہان پیدا کیا تھا،

ریزہ ریزہ از ضربِ او لات و منات　　در جہات آزاد از بندِ جہات

| | |
|---|---|
| ہر قبائے کہنہ چاک از دستِ اوست | قیصر و کسریٰ ہلاک از دستِ اوست |
| گاہ دشت از برق و بارانش بدرد | گاہ بحر از زورِ طوفانش بدرد |
| عالمے در آتشِ او مثلِ خس | ایں ہمہ ہنگامہ لا بود و بس |
| اندریں دیرِ کہن پیہم تپید | تا جہانے تازہ آمد پدید |
| بانگِ حق از صبح خیزیہائے اوست | ہر چہ ہست از تخم ریزیہائے اوست |
| لوحِ دل از نقشِ غیر اللہ شست | از کفِ خاکش دو صد ہنگامہ رست |

یعنی توحید نے مسلمانوں میں وہ قوت پیدا کر دی کہ ان کی ایک ضرب سے لات و مناۃ ریزہ ریزہ ہو گئے، اور وہ دنیا میں رہ کر بند جہات سے آزاد ہو گئے، ہر پرانی اور فرسودہ قبا کو انھوں نے چاک کر دیا، قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی کو مٹا دیا، دشت و صحرا ان کے برق و باران کی ہیبت اور سمندر ان کے زورِ طوفان سے لرز اٹھے، ایک عالم ان کی آتشِ سوزاں کے مقابلہ میں خس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور یہ سارا انقلاب و ہنگامہ صرف کلمۂ توحید کا نتیجہ تھا، اس دیرِ کہن میں اپنی جانکاہی اور تڑپ سے ایک نیا عالم پیدا کر دیا، حق کا آوازہ ان کی سحر خیزی اور دعائے صبح گاہی کا اور دنیا میں جو خیر نظر آتا ہے، ان کی تخم ریزی کا نتیجہ ہے، انھوں نے غیر اللہ کا نقش دل سے مٹا دیا، اس سے ان کی کفِ خاک سے سیکڑوں انقلاب برپا ہو گئے۔

**دوسرا رکن رسالت** اللہ تعالیٰ کی ذات تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی، لیکن انسانوں نے اس کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ پہچانا، اور جنھوں نے انبیاءؑ کے وسیلہ کے بغیر پہچاننے کی کوشش کی، انھوں نے ٹھوکر کھائی یا متحیر ہو کر خدا کا انکار کر بیٹھے، یا کائنات کی تمام قوتوں کو خدا مان لیا، یا فلسفیانہ خیالات میں الجھ کر رہ گئے، اس لیے خداشناسی کا صحیح وسیلہ



رسالت ہے، وہی خدا کے دین کو عملی شکل میں پیش کرتی ہے، اس لیے توحید کے بعد اسلام کا دوسرا رکن رسالت ہے، اسی سے ملت اسلامیہ وجود میں آئی، اور اس کے پیکر میں جان پڑی، اسی سے اس کا دین آئین بنا، اس کی لائی ہوئی کتاب مومن کی قوت کا سرچشمہ اور اس کی حکمت ملت کے لیے رگِ جاں ہے، اسی کے نفسِ گرم کی تاثیر سے اس میں زندگی کی روح اور اس کے افکار و معتقدات اور مقصد و مدعا میں وحدت و یک رنگی پیدا ہوئی، اور ملت نے نبی سے دینِ فطرت سیکھ کر دنیا کی شبِ تار میں حق کی شمع روشن کی، دنیا کی ہر کثرت وحدت کی بنیاد پر زندہ ہے، ملت اسلامیہ کی وحدت کی بنیاد دینِ فطرت پر ہے، جب تک یہ وحدت قائم ہے، اس کی ہستی نہیں مٹ سکتی۔

| | |
|---|---|
| حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید | وز رسالت در تنِ ما جاں دمید |
| از رسالت در جہاں تکوینِ ما | از رسالت دینِ ما آئینِ ما |
| از رسالت صد ہزار ما یک است | جزوِ ما از جزوِ ما لاینفک است |
| ما ز حکمِ نسبتِ او ملتیم | اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم |
| قلبِ مومن را کتابش قوت است | حکمتش حبل الورید ملت است |
| زندگیِ قوم از دمِ او یافت است | ایں سحر از آفتابش روشن است |
| از رسالت ہم نوا گشتیم ما | ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما |
| دینِ فطرت از نبی آموختیم | در رہِ حق مشعلے افروختیم |
| زندہ ہر کثرت ز بندِ وحدت است | وحدتِ مسلم ز دینِ فطرت است |

تا نہ ایں وحدت ز دستِ ما رود

ہستیِ ما تا ابد ہمدم شود (رموزِ بیخودی)

**نبوت کی اہمیت**

دنیا کی ہر قوم میں مصلحین و مجددین اور صلحاء و اخیار پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اپنے دور میں اپنی قوم کی بعض جزوی اصلاحیں کیں، مگر ان کی حیثیت ایک شعلہ سے زیادہ نہ تھی، جو عارضی چمک دکھا کر بجھ گیا، اور اب ان کا نام صرف تاریخوں میں ملتا ہے، ان کی اصلاحات کا کہیں وجود باقی نہیں ہے، ہمہ گیر اور دیرپا انقلاب صرف انبیاء علیہم السلام کا حصہ رہا ہے، اور آج دنیا میں اخلاق و روحانیت اور خیر و صلاح کی جو روشنی بھی نظر آتی ہے، وہ صرف انہی نفوس قدسیہ کا فیض ہے، نبی خدا کا پیامبر ہوتا ہے، اس کی نصرت و حمایت اس کے ساتھ ہوتی ہے، اس لیے وہ جیسا ہمہ گیر اور دیرپا انقلاب برپا کرتا ہے، وہ تنہا طاقت بشری سے ممکن نہیں ہے، اقبال نے نبوت کی اس اہمیت کو ان الفاظ میں دکھایا ہے:-

تا نبوت حکم حق جاری کند — پشت پا بر حکم سلطانی زند
پختہ سازد صحبتش ہر خام را — تازہ غوغائے دہد ایام را
درس او اللہ بس باقی ہوس — تا نیفتد بندۂ حق در بند کس
حکمتش برتر ز عقل ذو فنون — از ضمیرش امتے آید بروں
اندر آہ صبح گاہی او حیات — در نگاہ او پیام انقلاب
درس لا خوف علیہم می دہد — تا دلے در سینۂ آدم نہد
من نمی دانم چہ افسوں می کند — روح را در تن دگرگوں می کند
صحبت او ہر خزف را دُر کند — حکمت او ہر تہی را پُر کند

(مسافر)

یعنی نبی جب خدا کا حکم جاری کرتا ہے تو دنیاوی بادشاہوں اور حکمرانوں کو پیروں سے مسل ڈالتا ہے، اس کی صحبت ہر خام کو پختہ بنا دیتی ہے، وہ زمانہ میں ایک نیا انقلاب برپا کرتا ہے، وہ اللہ بس باقی ہوس کا درس دیتا ہے، تاکہ خدا کا پابند پھر کسی کے دام میں نہ آسکے، اس کی حکمت کا درجہ عقل ہمہ فن سے کہیں بلند ہے، اس کی تعلیم کے اثر سے ایک امت کا ظہور ہوتا ہے، اس کی آہ صبح گاہی سے زندگی پیدا ہوتی ہے؛ اور اس کی نمود سے کائنات میں جان پڑتی ہے، اس کی نگاہ انقلاب کی پیامبر ہوتی ہے اس کے زور طوفان سے بحر و بر میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے، وہ "لا خوف علیہم" کے درس سے بنی آدم کے سینہ میں دل زندہ کر دیتا ہے، اور ایسا سحر کرتا ہے کہ روح کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے، اس کی صحبت خزف ریزوں کو موتی بنا دیتی ہے، اور اس کی حکمت ہر خلا کو پر کر دیتی ہے۔

**ملت اسلامیہ کا وجود ایک آئین سے وابستہ ہے اور وہ قرآن مجید ہے**

ملت اسلامیہ کی ہستی ایک آئین سے وابستہ ہے، دین کی اصل روح اور دنیا میں مسلمانوں کے استحکام اور ان کی سربلندی کا راز یہی آئین ہے، یہ آئین زندۂ جاوید کتاب قرآن حکیم ہے، اس کی حکمت لازوال ہے، وہ انسانوں کی حیات کا ایک نسخہ ہے، اس کی قوت سے ناامید انسانوں کو زندگی ملتی ہے، وہ پوری نوع انسانی کے لیے خدا کا آخری پیغام ہے، اور حامل قرآن کی ذات گرامی صلعم سارے عالم کے لیے رحمت ہے، اس کتاب کے ذریعہ پست اور ذلیل انسان بلند و برتر ہو جاتا ہے، وہ خدا کے سجدہ سے انسان کو اتنا بلند کر دیتا ہے کہ پھر اس کا سر کسی کے سامنے نہیں جھکتا، اس پر عمل کے طفیل میں جو قوم رہزن تھی، دنیا کی رہبر اور ایک کتاب سے صاحب دفتر بن گئی، آج مسلمانوں نے رسم و رواج کو دین بنا لیا ہے، اور کافروں کے طور طریقے اختیار کر لیے ہیں، اگر وہ مسلمان رہ کر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو قرآن پر عمل کیے بغیر ممکن نہیں۔

ہستیٔ مسلم ز آئین است و بس     باطنِ دینِ نبی این است و بس

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست     زیر گردوں سرِ تمکینِ تو چیست

آں کتاب زندہ قرآن حکیم     حکمتِ او لایزال است و قدیم

نسخۂ اسرار تکوین حیات     بے ثبات از قوتش گیرد حیات

نوعِ انساں را پیامِ آخریں     حاملِ او رحمۃ للعالمین ﷺ

ارج می گیرد از و ناارجمند     بندہ را از سجدہ سازد سربلند

رہزناں از حفظ او رہبر شدند     از کتابے صاحبِ دفتر شدند

اے گرفتارِ رسوم ایمانِ تو     شیوہ ہائے کافری زندانِ تو

گر تو می خواہی مسلماں زیستن     نیست ممکن جز بقرآں زیستن

(رموزِ بیخودی)

ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں :-

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات     در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

می دہد مارا پیام لاتخف     تا رساند بر مقام لاتخف

قوت سلطان و میر از لاالٰہ     ہیبتِ مردِ فقیر از لاالٰہ

تا دو تیغ لا و الا داشتیم     ماسوا اللہ را نشان نگذاشتیم

اگر دنیا میں ثبات چاہتے ہو تو قرآن سے فائدہ اٹھاؤ، اس میں آبِ حیات پوشیدہ ہے، وہ مسلمانوں کو لاتخف کا پیام دیکر ساری دنیا سے بے خوف کر دیتا ہے، سلاطین و امرا کی قوت اور مرد فقیر دونوں کی ہیبت کا سرچشمہ لاالٰہ ہے، جب تک ہمارے ہاتھ میں لا و الا کی تلواریں رہیں ہم نے ماسویٰ اللہ کا نام و نشان مٹا دیا

**شریعت اسلامیہ** اسلام میں اصل قانون ساز اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کو اقتدار اعلےٰ



حاصل ہے، اسلامی حکومت کا کام صرف قانون الٰہی کا نفاذ ہے، اقبال نے اس کی یہ حکیمانہ توجیہ کی ہے، جو حقیقت بھی ہے کہ انسانی عقل محدود اور انسانی فطرت خود غرض واقع ہوئی ہے، وہ انسانوں کی حال و مستقبل کی تمام ضروریات کا ادراک نہیں کر سکتی، اس لیے ایسا جامع قانون نہیں بنا سکتی جو ان کی جملہ دینی و دنیوی اور مادی و روحانی ضروریات کا کفیل ہو، اس لیے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین آئے دن بدلتے رہتے ہیں، اور چوں کہ انسان کی فطرت خود غرض ہے، اس لیے اسکے قوانین بھی خود غرضی پر مبنی ہوتے ہیں، ہر قوم اپنے مفاد کے مطابق قانون بناتی ہے، اس کو دوسرے انسانوں کے فائدے اور نقصان سے کوئی بحث نہیں ہوتی، بعض مذاہب میں تو ایک ہی قوم کے مختلف طبقوں کیلیے الگ الگ قوانین ہوتے تھے جس کی زندہ مثال ہندوستان ہے، آزادی اور جمہوریت کے اس دور میں بھی بین الاقوامی معاملات میں قانون کی نہیں، بلکہ طاقت کی حکومت ہے، اور طاقتور خود غرض قوموں کے ہاتھوں بین الاقوامی قوانین اور اس کی مجالس کا جو حشر ہو رہا ہے، وہ سب کو معلوم ہے، پھر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین صرف دنیاوی معاملات تک محدود ہوتے ہیں، ان کو اخلاقی و روحانی ضروریات سے کوئی بحث نہیں ہوتی،

مگر اللہ تعالیٰ عادل بھی ہے اور سمیع و بصیر بھی، اس کی نظر حال و مستقبل سب پر ہے، اس کی نگاہ میں سارے انسان برابر ہیں، اس لیے وہی ایسا قانون بنا سکتا ہے، جو تمام انسانوں کے لیے منصفانہ بھی ہو اور ان کی جملہ ضروریات پر حاوی بھی، اس قانون کی بنیاد وحی پر ہے، جس کا نام شریعت ہے، اور اس کی قوتِ نافذہ کا نام حکومتِ الٰہیہ ہے۔

بندۂ حق مرد آزاد است و بس ملک و آئینش خداداد است و بس

رسم و راه و دین و آئینش ز حق زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر

وحیِ حق بینندۂ سودِ ہمہ در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ

عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف

غیرِ حق چوں ناہی و آمر شود زور ور بر ناتواں قاہر شود

(جاوید نامہ)

ایک دوسرے موقع پر ایک حکیمانہ توجیہ کی ہے کہ خود غرضی کی بنا پر انسان میں اپنے حقیقی نفع و نقصان کا احساس بہت کم ہوتا ہے، وہ اچھے برے کاموں میں امتیاز نہیں کر سکتا، انقلاب کے ہنگامے سے ڈرتا ہے، آقا غریب مزدور کی روزی پر قبضہ کر لیتا اور اس کی عزت و آبرو تک اتار لیتا ہے، اس کے ظلم و ستم سے غریب مزدور نالاں ہیں، ان کے جام و سبو بادۂ عیش و مسرت سے خالی ہیں، انھوں نے دوسروں کے لیے بڑے بڑے محل تعمیر کیے ہیں، مگر خود گلی گلی کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں،

آدمی اندر جہانِ خیر و شر کم شناسد نفعِ خود را از ضرر

کس نداند زشت و خوب کار چیست جادہ ہموار و ناہموار چیست

در نگاہش ناصواب آمد صواب ترسد از ہنگامہائے انقلاب

خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد آبروئے دخترِ مزدور برد

در حضورش بندہ می نالد چو نے بر لبِ او نالہائے پے بہ پے

نے بجامش بادہ و نے در سبو کاخہا تعمیر کرد و خود کو بکو

اس کے مقابلہ میں شریعت اسلامیہ دل کی گہرائی سے ابھرتی ہے، اور ایسا



اخلاقی احساس پیدا کر دیتی ہے کہ انسان حلال و حرام میں امتیاز کرنے لگتا ہے۔ اور کائنات شریعت کے نور سے منور ہو جاتی ہے، اگر دنیا کے لوگ اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھ لیں تو قیامت تک اس کا نظام مستحکم ہو جائے، اس کے احکام عدل و انصاف اور تسلیم و رضا پر مبنی ہیں، اور اس کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اسلیے جہاں تک ہو سکے اس کے حکم سے سرتابی نہ کرو تاکہ دوسرے تمہارے حکم سے سرتابی نہ کریں۔ شریعت کے ذریعہ احسن التقویم اور حضرت ابراہیمؑ کے ایمان کے وارث بن جاؤ،

شرع می خیزد ز اعماقِ حیات روشن از نورش ظلامِ کائنات

گر جہاں داند حرامش را حرام تا قیامت پختہ ماند ایں نظام

حکمش از عدل و تسلیم و رضاست بیخ او اندر ضمیرِ مصطفےٰ است

تا توانی گردن از حکمش مپیچ تا نہ پیچد گردن از حکم تو ہیچ

از شریعت احسن التقویم شو وارثِ ایمانِ ابراہیم شو

(مسافر)

ایک مقام پر شریعت اسلامیہ کی حقیقت اور اس کے حکم و مصالح کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے،

در شریعت معنیِ دیگر مجو غیرِ ضو در باطنِ گوہر مجو

ایں گہر را خود خدا گوہر گر است ظاہرش گوہر بطونش گوہر است

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست اصلِ سنت جز محبت ہیچ نیست

فرد را شرع است مرقاتِ یقیں پختہ تر از وے مقاماتِ یقیں

ملت از آئینِ حق گیرد نظام از نظامِ محکمے خیزد دوام

قدرت اندر علم او پیدا استے — ہم عصا و ہم ید بیضا ستے

باتو گویم سرِّ اسلام است شرع — شرع آغاز است و انجام است شرع

شارع آئین شناسِ خوب و زشت — بہر تو یک نسخۂ قدرت نوشت

از عمل آہن عصب می سازدت — جائے خوبے در جہاں اندازدت

خستہ باشی استوارت می کند — پختہ مثل کوہسارت می کند

ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات — شرع او تفسیرِ آئینِ حیات

گر زمینی آسماں سازد ترا — آنچہ حق می خواہد آں سازد ترا

صیقلش آئینہ سازد سنگ را — از دل آہن رباید زنگ را

(رموز بیخودی)

یعنی شریعت کا ظاہر و باطن ایک ہے، گوہر کی طرح شریعت کے ظاہر و باطن میں صرف روشنی ہی روشنی ہے۔ اس گوہر کا جوہری خود خدائے قدوس ہے، اس کا ظاہر بھی گوہر تاب ہے اور باطن بھی، علم حق، شریعت کے سوا اور کوئی چیز نہیں، اور سنت رسول صرف آپ کی محبت و اتباع کا نام ہے، شریعت ہی یقین کا ذریعہ ہے، اسی سے ایمان و یقین میں پختگی آتی ہے، ملت اسلامیہ میں اسی آئین حق سے نظام قائم ہوتا ہے، اور ایک محکم نظام ہی سے اس کو استحکام و دوام حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علم میں یہ قدرت ہے کہ وہ عصائے موسیٰ بھی ہے اور ید بیضا بھی، اسلام کا راز صرف شریعت میں پوشیدہ ہے، اس کی ابتدا و انتہا سب شریعت ہے، خوب و زشت اور خیر و شر کے آئین شناس نے مسلمانوں کے لیے یہ نسخہ لکھا ہے، اس پر عمل اعصاب کو فولاد بنا دیتا ہے اور دنیا میں سربلند کرتا ہے، کمزور کو طاقتور اور پہاڑ کی طرح مضبوط کر دیتا ہے، دین مصطفیٰ ایک حیات بخش دین ہے اور اس کی شریعت اس آئین حیات کی تفسیر ہے،



جو گرے ہوئے پست و پامال کو آسمان کا ہم دوش اور اپنی جلا سے لوہے میں پیوست زنگ کو دور اور پتھر کو آئینہ بنا دیتی ہے۔

خدا کا یہ آخری پیغام تنہا مسلمانوں کے لیے نہیں، بلکہ دنیا کی ساری قوموں کے لیے تھا، اس کی دعوت عام تھی، اس کا مقصد پورے عالم انسانیت کی اصلاح تھی، اسلیے جب ملت اسلامیہ اس پیغام کی حامل و مبلغ قرار پائی، اور جس طرح اسلام پر خدا نے سلسلۂ ندا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت کا خاتمہ کر دیا، اسی طرح دنیا کی ہدایت و رہنمائی کا منصب مسلمانوں کے سپرد کر کے ہمیشہ کے لیے نئی ملتوں کا خاتمہ کر دیا، اور اب خدا کے کسی نئے پیغام کی حامل کوئی قوم پیدا نہ ہوگی۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد — بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما گرمی ایام را — او رسل را ختم و ما اقوام را

خدمت ساقی گری با ما گذاشت — داد ما را آخریں جامے کہ داشت

مسلم از مینائے حق صہبا کشد — نعرۂ "لا قوم بعدی" می زند

(رموز بیخودی)

**اس انقلاب انگیز پیغام کے نتائج**

اسلام کے ظہور کے وقت ساری دنیا ظلمت کدہ تھی، توحید و خدا شناسی کا نام مٹ چکا تھا، اشرف المخلوقات کی جبین نیاز شجر و حجر تک کے سامنے سجدہ ریز تھی، اخلاق و روحانیت کی شمعیں گل ہو چکی تھیں، اگر کسی راہب کی جھونپڑی میں کوئی چراغ ٹمٹماتا تھا تو دوسروں کو روشنی پہنچانے سے قاصر تھا، عدل و انصاف ختم ہو چکا تھا، دنیا میں صرف قوت اور ظلم کی حکومت تھی، خدا کی مخلوق نسل و نسب اور دولت و غربت کے اعتبار سے ادنیٰ و اعلیٰ طبقوں میں بٹی ہوئی تھی، ہر ادنیٰ اور کمزور اپنے سے اعلیٰ اور طاقتور طبقہ کا غلام تھا، فسق و فجور کی گرم بازاری تھی، اسلام

ان سب کے خلاف اعلان جنگ تھا، اس کا مقصد توحید و خداشناسی اور اخلاق و روحانیت کا احیاء، عدل و مساوات اور انسانی شرف و عظمت کا قیام تھا۔

اسلام کی سحر آفرینی نے چند برسوں کے اندر گمراہ انسانوں کی کایا پلٹ دی، اس کے ابر کرم سے انسانیت کی سوکھی کھیتی ہری ہو گئی، اس نے نہ صرف دینی و اخلاقی حیثیت سے انسانیت کی اصلاح کی، بلکہ اس کو تہذیب و تمدن کا بھی سبق پڑھایا اور امت اسلامیہ پوری دنیا کی معلم و امام بن گئی، اور اس کو علم و عرفان کے نور سے معمور کر دیا، اقبال نے اسلام کے برپا کیے ہوئے اس انقلاب اور دنیا میں اس کی برکتوں کو متعدد نظموں میں بیان کیا ہے، بعض نظموں کے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

ایک نظم میں عربوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:-

رمز الا اللہ کرا آموختند  ایں چراغ اول کجا افروختند
علم و حکمت ریزۂ از خوان کیست  آیۂ فاصبحتم اندر شان کیست
از دم سیراب آں امی لقب  لالہ رست از ریگ صحرائے عرب
حریت پروردۂ آغوش اوست  یعنی امروز امم از دوش اوست
او دلے در پیکر آدم نہاد  او نقاب از طلعت آدم کشاد
ہر خداوند کہن را او شکست  ہر کہن شاخ از نم او غنچہ بست
علم و حکمت شرع و دیں نظم امور  اندرون سینہ دلہا ناصبور
حسن عالم سوز الحمرا و تاج  آنکہ از قدوسیاں گیرد خراج
ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست  یک تجلی از تجلیات اوست
ظاہرش ایں جلوہ ہائے دلفروز  باطنش از عارفاں پنہاں ہنوز



حمد بے حد مر رسول پاک را  آنکہ ایماں داد مشت خاک را

خدا نے توحید کا رمز کس کو سکھایا اور سب سے پہلے یہ چراغ کہاں روشن کیا، علم و حکمت کس کے دستر خوان کا ریزہ ہے، "آیۂ فاصبحتم" کس کی شان میں نازل ہوئی ہے، اس امی لقب کی آبیاری سے ریگستان عرب میں لالہ کا چمن کھل گیا، آزادی و حریت آپ کے آغوش کی پروردہ ہے، آج جس انسانی آزادی کی صدا بلند ہے وہ بہت پہلے عرب میں بلند ہو چکی ہے، آپ نے آدم کے پیکر میں ایک نیا دل رکھدیا اور اسکے جمال کی پردہ کشائی کی، پرانے سارے دیوتاؤں کا طلسم توڑ دیا، خشک پرانی شاخوں میں غنچے پھوٹنے لگے، علم و حکمت، دین و شریعت، نظم و انتظام، الحمرا و تاج جیسی عمارتیں جو قدوسیوں سے خراج تحسین وصول کرتی ہیں، ان کی سیکڑوں تجلیوں میں سے ایک تجلی ہیں، یہ دلفریب جلوے تو اس کا ظاہر ہیں، اس کا باطن عارفوں کی نگاہ سے بھی پوشیدہ ہے۔

اس سے زیادہ واضح تصویر ابوجہل کے نوحہ میں نظر آتی ہے، وہ حرم کعبہ میں فریاد کرتا ہے:

سینۂ ما از محمد داغ داغ  از دم او کعبہ را گل شد چراغ
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود  نوجواناں را ز دست ما ربود
ساحر و اندر کلامش ساحری است  ایں دو حرف لا الٰہ خود کافری است
پاش پاش از ضربتش لات و مناۃ  انتقام از وے بگیر اے کائنات
دل بغائب بست و از حاضر گسست  نقش حاضر را فسون او شکست
دیدہ بر غائب فروبستن خطاست  آنچہ اندر دیدہ می ناید کجاست

خم شدن پیش خدائے بے جہات    بندہ را ذوقے نہ بخشد ایں صلوٰۃ
مذہب او قاطعِ ملک و نسب    از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست    با غلامِ خویش بر یک خوان نشست
قدر احرار عرب نشناختہ    با کلفتانِ حبش در ساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند    آبروے دودمانے ریختند
ایں مساوات ایں مواخات اعجمیست    خوب می دانم کہ سلماں مزدکی است
ابن عبداللہ فریبش خوردہ است    رستخیزے بر عرب آوردہ است
عجمی را اصل عدنانی کجاست    گنگ را گفتار سحبانی کجاست
اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر    خانۂ خود را ز بے کیشاں بگیر
اے مناۃ اے لات ازیں منزل مرو    گر ز منزل می روی از دل مرو

یعنی ہمارا سینہ محمد کی وجہ سے داغ داغ ہے، انھوں نے کعبہ کا چراغ گل کر دیا، قیصر و کسریٰ کی ہلاکت کی صدا بلند کی، ہمارے نوجوانوں کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا، وہ ساحر ہیں، انکی باتوں میں ساحری ہے، کلمۂ لا الہ خود کافری ہے، ان کی ضرب سے لات و مناۃ پاش پاش ہو گئے، کائنات اس کا انتقام لے، دلوں کا رشتہ حاضر سے توڑ کر غائب سے جوڑا، ان کے افسوں نے حاضر کا نقش توڑ دیا، غائب سے دل لگانا بہت بڑی غلطی ہے، جو چیز دیکھنے میں نہ آئے اس کا وجود کہاں؟ خدائے بے جہات کے سامنے سر جھکانے سے کیا حاصل، ایسی نماز سے کوئی ذوق پیدا نہیں ہو سکتا، ان کا مذہب ملک و نسب کا قاطع اور قریش اور عرب کی فضیلت کا منکر ہے، ان کی نگاہ میں ادنیٰ و اعلیٰ سب ایک ہیں، وہ اپنے غلام کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھکر کھانا کھاتے ہیں، افسوس انھوں نے عرب کے



اشراف کی قدر نہ پہچانی اور حبشہ کے حبشیوں کو سر چڑھایا، کالے کلوٹوں اور سرخ و سپید کو برابر کر کے اونچے خاندانوں کی آبرو برباد کی، یہ مساوات و اخوت تو سراسر عجمی ہے، سلمان تو مزدکی ہے، ابن عبداللہ نے اس کے فریب میں آکر عربوں میں حشر برپا کر دیا، عجمی شرف نسب میں عرب کو کہاں پہنچ سکتے ہیں، گونگے زبانوں میں سحبان کی طاقت لسانی کہاں سے آسکتی ہے، اے ہبل اے اپنے بندوں کی معذرت قبول کرنے والے ان لامذہبوں سے اپنا گھر چھین لے، اے مناۃ! اے لات! اس گھر سے نہ نکلو، اور اگر گھر سے نکلتے ہو تو دلوں سے نہ نکلو۔

اگرچہ اس نوحہ میں اسلام کی اہم انقلابی تعلیمات آگئی ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ اس کا سب سے جامع مرقع مولانا حالی نے دکھایا ہے، اس موقع پر اس کو نقل کیے بغیر آگے بڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی    پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی    جو تیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا    ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا    ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا
زمانے میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں    پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں

ہوئی آتش افسردہ آتشکدوں میں | لگی خاک سی اڑنے سب معبدوں میں

ہوا کعبہ آباد سب گھر اجڑ کر
جمے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر

لیے علم و فن ان سے نصرانیوں نے | کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے | کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا | فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا
ہر اک شہر و قریے کو یونان بنایا | مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا

کیا بر طرف پردہ چشم جہاں سے
جگایا زمانہ کو خواب گراں سے

ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ | ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ | سیاحت میں مشہور دنیا ہوئے وہ

ہر اک ملک میں ان کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے ان سے سیکھی تجارت

کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں | مہیا کیے سب کے راحت کے ساماں
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں | انھیں کر دیا رشک صحن گلستاں

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

(باقی)



# کُلّ مَولُودٍ یُولَدُ علی الفطرۃ (الحدیث) کا مفہوم

(علامہ ابن عبد البر کی کتاب التمہید کا ایک ورق)

از

ضیاء الدین اصلاحی

(۲)

دوسرا مفہوم دوسری جماعت کے نزدیک فطرت سے اسلام مراد ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ علمائے سلف سے اس کی یہی توجیہ مشہور و معروف ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا) کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ اس میں "فطرۃ اللہ" سے دین اللہ یعنی الاسلام مراد ہے، خود راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ (اقرؤا ان شئتم فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا) عکرمہ، مجاہد، حسن، ابراہیم، ضحاک، اور قتادہ رحمہم اللہ سے اس کی یہی تاویل منقول ہے، نیز ان حضرات نے (لاتبدیل لخلق اللہ) کی تفسیر لا تبدیل لدین اللہ سے کی ہے،

ان لوگوں نے اپنی رائے کے ثبوت میں عیاض بن حماد مجاشعی کی وہ حدیث بھی پیش کی ہے، جو اوپر گذری ہے، کہ آپ نے فرمایا،

(الا احدثکم بما حدثنی اللہ فی الکتاب ان اللہ خلق آدم وبنیہ

حنفاء مسلمین)

یہ ایک طویل حدیث ہے، متعدد لوگوں نے اُس کی روایت کی ہے، لیکن اکثر روایتوں میں صرف "حنفاء" کا لفظ ہے، اور "مسلمین" کا ذکر نہیں ہے[1]۔

اہلِ تفسیر نے حنفاء کی مختلف تفسیریں کی ہیں، لیکن درحقیقت یہ صرف لفظی اختلاف ہے، ورنہ سب کا ماحصل یہ ہے کہ حنیفیت سے مراد اسلام ہے، اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ

ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما، (آل عمران ۶۷)

ابراہیم یہودی اور نصرانی نہیں تھا، بلکہ حنیف (سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور خدائے تعالیٰ کا) حکم بردار تھا،

دوسری جگہ فرمایا:۔

ھو سماکم المسلمین، (حج - ۷۸)

اسی (اللہ یا ابراہیمؑ) نے تم لوگوں کا نام مسلمان (تابعدار) رکھا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے "حنفاء مسلمین" کی روایت کی ہے وہ بھی درست ہے، اس پر رد و انکار کے کوئی معنی نہیں، راعی کا شعر ہے:۔

أخلیفۃ الرحمٰن انا معشر حنفاء نسجد بکرۃ واصیلا

---

[1] علامہ ابن عبدالبر نے اس موقع پر اس حدیث کے متعلق طویل فنی بحث کی ہے، اور دونوں قسم کی روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے



عرب نری للہ فی اموالنا حق الزکوٰۃ منزلا تنزیلا

(ترجمہ) "اے خدائے رحمان کے خلیفہ! ہم حنفاء (مسلمانوں) کی جماعت ہیں، جو صبح و شام خدا کی عبادت کرتے ہیں، اور ہم عربی ہیں، جو اپنے مالوں میں زکوٰۃ کو برحق اور منزل من اللہ فریضہ سمجھتے ہیں"

حضرت ابراہیمؑ کو حنیف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے والد اور قوم کے معبودوں سے برگشتہ ہو کر خدائے واحد کی عبادت اور بندگی کی طرف یکسو ہو کر مائل ہو گئے تھے، کیونکہ "حنف" کے اصلی معنی میل ہی کے ہیں،

فطرت سے اسلام مراد لینے والوں کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے،

خمس من الفطرۃ فذکر منھن قص الشوارب و الاختتان[1]

پانچ چیزیں امور فطرت میں شامل ہیں، پھر آپ نے اس سلسلہ میں مونچھیں کاٹنے اور ختنہ کرانے کا ذکر کیا،

کیونکہ یہ سب امور اسلام کے سنن و آداب میں داخل ہیں:۔

جن لوگوں نے فطرت سے اسلام مراد لیا ہے، ان میں حضرت ابوہریرہؓ اور ابن شہاب زہری بھی ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک ایسے آدمی کے متعلق جس پر ایک مومن غلام آزاد کرنا لازم تھا پوچھا گیا کہ کیا ایک دودھ پینے والے بچے کو آزاد کر دینا کافی ہوگا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں کافی ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوا ہے[2]، اس

---

[1] یہ حدیث صحیحین اور مسند احمد وغیرہ میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ وارد ہے، بعض روایتوں میں خمس (پانچ) کے بجائے عشر (دس) چیزوں کو خصائل فطرت میں گنایا گیا ہے، [2] زہری سے یہاں تک

قول کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ بچہ کفر و شرک سے بالکل محفوظ و مصئون اور روز ازل کے میثاق کے مطابق مومن و مسلم پیدا ہوتا ہے،

ہمارے نزدیک فطرت سے اسلام مراد لینا صحیح نہیں ہے[1] اس لئے کہ ایمان و اسلام درحقیقت قلب کے اعتقاد و اذعان زبان کے اقرار اور اعضاء و جوارح کے عمل و فعل کا نام ہیں، اور ایک بچے کے اندر یہ صلاحیت بالکل معدوم ہوتی ہے،

**فطرت کا تیسرا مفہوم** کچھ لوگوں نے فطرت کے معنی بدائت (آغاز، ابتداء) کے لئے ہیں[2] ان کے نزدیک بچہ اس بدائت پر پیدا ہوتا ہے جس کو اول اول اللہ نے اس کے لئے مقرر کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کے لئے ابتدا رہی ہیں شقاوت و سعادت، موت و حیات اور اس چیز کو جس کو وہ آئندہ اختیار کرنے والی ہے متعین کر دیتا ہے، اور جس چیز پر اس کی ابتدا کر دی گئی ہے، اس سے اس کو کوئی مفر نہیں،

کلام عرب میں فطرت بدائت کو اور فاطر مبدی، و مبتدی کو کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھے فاطر السمٰوٰت والارض کے معنی اس وقت معلوم ہوئے جب دو بدو ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے میرے پاس آئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ انا فطرتھا ای ابتدأتھا (میں نے اس کو پہلے کھودا اور بنایا تھا) پس فطرت

(بقیہ حاشیہ ص ) منقول ہے کہ ہر بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ وہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۲۹۰) (شفاء العلیل ص ۲۰۵) [1] علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک فطرت سے اسلام مراد ہے، اور انھوں نے علامہ ابن عبدالبر کے مفہوم کی پرزور تردید کی ہے (شفاء العلیل ص ) [2] امام خطابی اور علامہ ابن قتیبہ نے اسی معنی کو مرجح قرار دیا ہے (معالم السنن ج ۴ ص ۳۲۷ وتاویل مختلف الحدیث ص ۱۵۹)



کے معنی بدائت کے ہوئے، جیسا کہ اس آیت میں ہے،

| | |
|---|---|
| کما بدأکم تعودون فریقاً ھدیٰ وفریقاً حق علیھم الضلالة، (اعراف، ۲۹) | اللہ نے جیسا تمھارا آغاز کیا ہے، ویسے ہی دوبارہ پلٹو گے، ایک فرقہ کو ہدایت کی، اور ایک فرقہ پر ضلالت مقرر کی، |

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں فرماتے تھے،

| | |
|---|---|
| اللھم جبار القلوب علی فطرتھا شقیھا وسعیدھا. | اے دلوں کو اس کی ابتداء یعنی شقاوت و سعادت پر مجبور کرنے والے خداوند! |

اس معنی کی رو سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ شقاوت و سعادت میں سے جس چیز پر اللہ نے بچے کی ابتدا کی ہے، اسی پر وہ پیدا ہوتا ہے، ابو عبداللہ محمد بن نصر مروزی کا بیان ہے کہ امام احمد بھی پہلے اسی کے قائل تھے، مگر بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا،[1] موسیٰ بن عبیدہ کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن کعب سے (کما بدأکم تعودون الخ) کی یہ تشریح سنی ہے کہ

[1] علامہ ابن قیم نے امام احمد سے اس بارہ میں تین روایتیں نقل کی ہیں، (۱) اس سے معرفت الٰہی کا اقرار اور وہ عہد مراد ہے جو اللہ نے بنی آدم سے ان کی اولین تخلیق کے موقع پر لیا تھا، ہر بچہ اسی اقرار اول پر پیدا ہوتا ہے، (۲) دوسری روایت کے مطابق اس سے مراد شکم مادر میں انسان کی ابتدائے خلقت ہے، علی بن سعید نے امام صاحب سے "کل مولود یولد" کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ شقاوت و سعادت پر بچے کی تخلیق ہوتی ہے، (۳) امام صاحب سے تیسرا قول توقف

"اللہ نے جس شخص کی خلقت کی ابتدا ضلالت پر کی ہے وہ بالآخر ضلالت ہی کی طرف جائے گا، خواہ وہ ہدایت ہی کے کام کیوں نہ کرے، اور جس کی تخلیق کی ابتدا ہدایت پر کی ہے، اُس کو (آخرکار) اللہ ہدایت کی جانب لے جائے گا، خواہ وہ ضلالت ہی کے کام کیوں نہ کرے۔"

چنانچہ ابلیس کی خلقت کی ابتدا ضلالت پر کی گئی تھی، اور باوجودیکہ اُس نے دوسرے ملائکہ کی طرح نیکی کے کام کئے تھے، لیکن بالآخر وہ ضلالت کی جانب پھیر دیا گیا، کیونکہ اسی پر ابتداءً اس کی تخلیق ہوئی تھی، اسی لئے اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ:-

وکان من الکافرین،

(بقرہ - ۳۴) اور وہ ابلیس کافروں میں سے تھا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) کا مروی ہے،

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور خود حافظ ابن قیم کا رجحان یہ ہے کہ امام احمد کے نزدیک فطرت سے دینِ اسلام مراد ہے، گویا یہ وہی بات ہے جس کا پہلی روایت میں ذکر ہے، اور اگر اس سے مختلف بات ہے تو امام صاحب کی اس سلسلہ میں چار روایتیں ہو جائیں گی،

اس سلسلہ میں امام ابنِ قیم نے ایک لطیف نکتہ کی نشاندہی کی ہے، وہ فرماتے ہیں:-

فابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس میں محض بچوں کے دنیاوی احکام کا ذکر ہے، اور والدین کی فطرت میں تبدیلی کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، درست نہیں ہے، یہ بات حدیث کے منشا و مدلول کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ آپ نے والدین کی بچوں کی تکفیر کو جدع بہائم کے مشابہ قرار دیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک تغییر دوسری تغییر کے مماثل ہے۔ (شفاء العلیل ص ۲۹۶)



اس کے مقابلہ میں ساحرینِ مصر کی تخلیق کی ابتدا ہدایت پر ہوئی تھی، اور گو انہوں نے ضلالت کے کام کئے مگر آخر میں اللہ نے ان کو ہدایت وسعادت کی توفیق عطا فرمائی، اور وہ مومن ہو کر مرے، "کما بدأکم تعودون" کا یہ مفہوم متعدد کبار تابعین سے مروی ہے، فطرت کا یہ مفہوم بیان کرنے والے اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| عن ابی محمد رجل من اہل | مدینہ کے ایک شخص ابو محمد نے بیان |
| المدینۃ قال سألت عمر | کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ بن خطابؓ |
| بن الخطاب عن قولہ عزوجل | سے واذ اخذ ربک الخ کے متعلق |
| (واذ اخذ ربک من بنی | سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ جس طرح |
| آدم الخ) فقال سألت رسول | تم نے مجھ سے اس کے متعلق سوال |
| اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | کیا ہے، اسی طرح میں نے بھی رسول |
| کما سألتنی فقال: خلق | اللہؐ سے اس کے بارہ میں سوال |
| اللہ آدم بیدہ ونفخ فیہ | کیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ |
| من روحہ ثم اجلسہ | نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا، اور |
| ومسح ظہرہ فاخرج منہ | اُن کے اندر اپنی روح پھونکی پھر |
| ذرءا فقال ذرء ذرأتھم | اُن کو بٹھایا، اور اُن کی پشت |

---

۱؎ یہ حدیث حضرت عمرؓ کے علاوہ، حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عائشہؓ، انس بن مالکؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبادہ بن صامتؓ وغیرہ مشاہیر صحابہؓ اور بعض غیر مشاہیر صحابہؓ سے مروی ہے،

(شفاء ص ۱۰)

للجنۃ یعملون بما شئت من عمل ثم اختم لھم باحسن اعمالھم دادخلھم الجنۃ ثم مسح ظھرہ فاخرج ذریۃ فقال ذرو ذراتھم للنار یعملون بما شئت من عمل ثم اختم لھم بشر اعمالھم فادخلھم النار،

پھیری، پھر پشت سے ایک جماعت کو پیدا کر کے کہا کہ میں نے اس کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے، یہ میری مشیت سے عمل کریں گے، پھر میں اس کا خاتمہ بالخیر کروں گا، اور جنت میں داخل کروں گا، پھر اللہ اُن کی پشت پھر کر ایک اور جماعت کو نکال کر کہے گا کہ ان کو میں نے جہنم کے لئے بنایا ہے، یہ بھی میری مشیت سے کام کریں گے[۲]

[illegible]

اس قسم کی حدیث موطا میں مرفوعاً مروی ہے[۱]، لیکن درحقیقت (کما بدأکم تعودون) یا مذکورۂ بالا حدیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ بچہ مومن یا کافر پیدا ہوتا ہے، کیونکہ یہ بداہتہً عقل کے منافی ہے، پیدائش کے وقت بچوں میں کفر و ایمان کی فہم و تمیز کی بالکل صلاحیت نہیں ہوتی، رہی وہ حدیث جس میں لوگوں کے مختلف طبقوں میں پیدا کئے جانے کا ذکر ہے، وہ قدح وطعن سے خالی نہیں ہے، علی بن زید بن جدعان اس کو روایت کرنے میں منفرد ہیں، شعبہ نے ان کے متعلق کلام کیا ہے[۲]، علاوہ ازیں اس کی تاویل یوں کی جاسکتی ہے کہ مومن و کافر پیدا کئے جانے

---

۱؎ موطا کی روایت میں ابو محمد کے بجائے مسلم بن یسار جہنی کے حضرت عمرؓ سے سوال کرنے کا ذکر ہے، نیز اس کے آخر میں بعض اضافے ہیں، ۲؎ امام احمد اور دوسرے ائمۂ فن سے بھی اُن



مطلب یہ ہے کہ آئندہ وہ مومن و کافر ہوں گے، جیسا کہ اُن کے متعلق اللہ کا سابق علم ہے، اسی طرح (خلقت ھٰؤلاء للجنۃ وخلقت ھٰؤلاء للنار) سے بجز لوگوں کے خاتمہ کے اور کسی بات کا ثبوت نہیں ملتا، پہلے ہم تحریر کر چکے ہیں کہ طفولیت کے زمانہ میں بچہ جنت یا دوزخ کے استحقاق کے لائق یا کفر و ایمان کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا،

چوتھا مفہوم | ایک جماعت کے نزدیک (کل مولود یولد علی الفطرۃ) کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو کفر و ایمان اور معرفت و انکار پر پیدا کیا ہے، چنانچہ ذریت آدم سے اس کی پیدائش ہی کے وقت اس کا عہد لیا گیا تھا کہ

الست بربکم، (اعراف) کیا میں تم لوگوں کا رب نہیں ہوں،

تو لوگوں نے جواب میں بلےٰ کہا یعنی کیوں نہیں؟ بیشک تو ہمارا رب ہے، لیکن اہلِ سعادت نے طوعاً اور اہلِ شقاوت نے کرہاً (بلیٰ) کہا تھا، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے،

ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاً وکرھا، (آل عمران ۸۳) اور اسی کے حکم میں خوشی یا لاچاری سے ہے، جو آسمانوں اور زمین میں ہے،

اور یہی بات (کما بدأکم تعودون) میں بھی کہی گئی ہے، مروزی کا بیان ہے کہ اسحٰق بن راہویہ کا یہی قول ہے، اور وہ استدلال میں حضرت ابو ہریرہؓ کے اس قول کو پیش کرتے ہیں، جو حدیث کے آخر میں مذکور ہے، اسحٰق فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا

---

(بقیہ حاشیہ ص کی تضعیف منقول ہے، ملاحظہ ہو، (تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۲۲ تا ۳۲۴)

آیت "لا تبدیل لخلق اللہ" کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے کفر و ایمان اور معرفت و انکار میں سے جس حالت میں بھی اولادِ آدم کو پیدا کیا ہے، اُس میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا، وہ "واذ اخذ ربک من بنی آدم الخ" سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ اجساد سے پہلے اللہ نے ارواح کو گویائی عطا کر کے اُن سے اپنے رب ہونے کا اقرار لیا تھا، اور اس کی پوری تاکید کر دی تھی تاکہ کوئی عذر و حیلہ نہ کیا جا سکے، چنانچہ فرمایا،

| | |
|---|---|
| ان تقولوا یوم القیامۃ انا | (یہ قول و قرار اس بنا پر ہے کہ) |
| کنا عن ھذا غافلین او تقولوا | تم قیامت کے دن یہ کہنے لگو کہ ہم کو |
| انما اشرک آباؤنا من قبل | تو اس کی خبر ہی نہ تھی، یا کہنے لگو |
| وکنا ذریۃ من بعدھم، | کہ ہمارے باپ دادوں نے ہم سے |
| (اعراف ۱۷۲،۱۷۳) | پہلے شرک کیا اور ہم تو ان کے پیچھے |
| | ان کی اولاد ہیں، |

ہمارے نزدیک اس آیت کی سب سے عمدہ تاویل وہ ہے جو عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ جب اللہ نے حضرت آدم کو جنت سے نکالنے سے پہلے ان کی پشت کے دائیں جانب سے موتی کی طرح سفید ایک ذریت نکالی، اور اس سے کہا کہ میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ اور پھر ان کی پشت کے بائیں جانب سے ایک سیاہ ذریت نکالی، اور اس سے کہا کہ تم لوگ جہنم میں داخل ہو جاؤ مجھے تمہاری پروا نہیں[1]، اسی حقیقت کی تعبیر دوسری جگہ اصحاب الیمین و اصحاب الشمال سے کی گئی ہے، پھر

[1] اس معنی کی روایت امام احمد نے اور ابن عساکر نے حضرت ابو درداءؓ سے کی ہے، امام سیوطی



ان سب سے عہد و میثاق لے کر اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا، پہلی جماعت نے طوعاً اور دوسری جماعت نے کرہاً بطور تقیہ اقرار کیا، پھر اللہ نے اس پر اپنے کو اور ملائکہ کو گواہ بناتے ہوئے کہا "شہدنا[1] ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ھذا غافلین او تقولوا انما اشرک آباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدھم افتھلکنا بما فعل المبطلون، (اعراف ۱۷۲،۱۷۳)

اس مفہوم کو ماننے والے کہتے ہیں کہ تمام اولاد آدم کو اللہ کے رب ہونے کا علم و معرفت حاصل ہے، جیسا کہ "ولہ اسلم من فی السموٰت والارض" سے ظاہر ہے، نیز یہی بات اس آیت میں کہی گئی ہے کہ

| | |
|---|---|
| قل فللہ الحجۃ البالغۃ فلو شاء | تم کہدو کہ بس اللہ کا الزام پورا ہے، سو |

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۰) نے ابن عساکر کی روایت کو حسن قرار دیا ہے،

(جامع صغیر ج ۱ ص ۵۳۳)

[1] شہدنا کے فاعل کے متعلق علامہ ابن عبد البر کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ اور ملائکہ فاعل ہیں، آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب اللہ اولاد آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرائے گا، اور وہ اس کا اقرار کر لیں گے، تو اس کے بعد خدا اور ملائکہ کہیں گے کہ ہم تمہارے اس قول و قرار کے گواہ ہیں، تاکہ تم قیامت کے روز کوئی حیلہ و حجت نہ کر سکو، لیکن عام مفسرین نے ذریت آدم کو فاعل مانا ہے، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے استفسار (الست بربکم) کے جواب میں بنی آدم (بلیٰ، شہدنا) کہیں گے، یعنی ہاں! تو ہمارا رب ہے اور ہم اپنے اس اقرار کے شاہد اور گواہ ہیں، اس کے بعد خدا تعالیٰ کہے گا کہ یہ اقرار و شہادت ہم نے اس لئے تم سے لی ہے تاکہ تم قیامت کے روز کوئی عذر لنگ نہ کر سکو، یہ دونوں ہی

| | |
|---|---|
| یعلمہ اکمہ اجمعین، | اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو |
| (انعام - ۱۴۹) | ہدایت دیدیتا، |

غلام خضر کے متعلق جو حدیث گذری ہے، اس سے بھی اسحٰق نے استدلال کیا ہے، کہ ایک ظاہر بیں شخص کو تو اس میں وہی بات نظر آئے گی، جو حضرت موسیٰ نے فرمائی تھی، کہ (أقتلت نفسا زکیۃ) لیکن اللہ نے حضرت خضر کو غلام کی اس فطرت سے آگاہ کر دیا تھا، جس پر وہ پیدا کیا گیا تھا، اسی لئے وہ جانتے تھے کہ اس کی تخلیق کفر پر کی گئی ہے اسی بنا پر حضرت ابن عباسؓ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے،

| | |
|---|---|
| واما الغلام فکان کافراً و | اور وہ جو لڑکا تھا، سو کافر تھا، اور اس کے |
| کان ابواہ مومنین[1]، | ماں باپ مسلمان تھے، |

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بچوں کا حکم نہ بتلا دیا ہوتا تو لوگوں پر ان کا معاملہ مشتبہ رہ جاتا، اور وہ مومن و کافر بچوں میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ان کو بچوں کی اس اصل جبلت کے متعلق کوئی واقفیت اور علم نہیں ہے، جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں، اس لئے آپ نے دنیا کے اندر بچوں کا معاملہ یہ کہکر کہ (فابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ) بالکل واضح کر دیا،

اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو بچوں کی اس اولین فطرت کی کوئی خبر نہیں ہے، جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں، اسی لئے دنیا میں ان کا وہی حکم اور معاملہ ہوگا جو اُن

---

[1] یہ نا قرأۃ نہ ہوگی، بلکہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر ہوگی، اور اگر یہ قرأت ہے تو شاذ و ضعیف ہے، ظاہر ہے کہ اس کو مشہور و معروف قرأت پر ترجیح نہیں دی جا سکتی جو یہ ہے (واما الغلام فکان ابواہ مومنین)،



کے والدین کا ہے، اُن کے کفر و ایمان کی تمیز کا ذریعہ اُن کے والدین ہوں گے، اگر وہ بچپن میں کافر ماں باپ کے درمیان ہے، تو ان کو بھی انہی میں شامل سمجھا جائے گا، اور اُن کے آیندہ کے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کر دیا جائے گا، غلام کے واقعہ سے حضرت موسیٰؑ پر حضرت خضر کی یک گونہ فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اللہ نے جس علم خاص سے اُن کو نوازا تھا، اس کا حضرت موسیٰؑ کو علم نہیں تھا،

اسحٰق بن راہویہ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے بچوں کے معاملہ کو لوگوں سے بیان کر دیا ہے، اس باب میں روایات مختلف ہیں، آگے ہم اُن کو بتفصیل تحریر کریں گے،

اسحٰق کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک انصاری بچہ کا انتقال ہوا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کو مبارک ہو یہ جنت کی کنجشک ہے لیکن رسول اللہ صلعم نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "تم کو کیا خبر؟ اللہ نے تو جنت اور دوزخ کے اہل پیدا کئے ہیں"[1]

غور کرنے سے اسحٰق اور ان کے ہمنوا لوگوں کی رائے کی دو نوعیتیں سامنے آتی ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ نے جب بچوں کو پیدا کیا تو اس وقت اس کو اُن کے مومن و کافر ہونے کا علم تھا، جیسا کہ عقیدۂ قضا و قدر کا اقتضاء ہے کہ ہر چیز کی طرح بچوں کا معاملہ بھی علم الٰہی میں ہے، اور سن رشد و تمیز کو پہنچ جانے کے بعد جب اُن میں معرفت و انکار یا کفر و ایمان کے اعتقاد کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی، تو یہ جس کو چاہیں گے، اختیار کریں گے، اگر اسحٰق کے قول کا یہی مطلب ہے تو دراصل یہ وہی بات ہے جو ہم نے کہی ہے

---

[1] صحاح میں امام بخاری و ترمذی کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی ہے،

لیکن اگر اُن کا منشا یہ ہو کہ بچہ مومن و مسلم یا جاحد و منکر اور مشرک دکافر پیدا ہوتا ہے تو یہ سرامر عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے، اور عقل و مشاہدہ سے بڑھ کر معتبر اور صحیح کوئی علم نہیں ہے، (و اذا اخذ ربک من بنی آدم الخ) سے نہ اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے اور نہ ہمارے خیال کی تردید بلکہ اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق کا حشر و انجام اللہ کے سابق علم کے مطابق ہوگا، ظاہر ہے کہ اس میں اہلِ حق کا کوئی اختلاف نہیں ہے، در اصل اختلاف مومنین اور کفار کے ان بچوں کے متعلق جو بچپن ہی میں مرجاتے ہیں، رہا وہ غلام جس کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا تو بلا شبہ اسکے والدین مومن تھے، اب اگر وہ واقعی بچہ تھا اور اسکے متعلق بعض اہلِ علم کی یہ رائے صحیح نہیں ہے، کہ وہ تا لغ و ابلغ تھا تو اسکی نوعیت ایک خاص معاملہ کی ہوگی، اس کی بنیاد پر مومن والدین کے چھوٹے بچوں کے متعلق کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ ان کے قتل کے جائز و مباح نہ ہونے پر تو امت کا اتفاق ہے، اس واقعہ کی تخصیص کے لئے اس قدر اشارہ کافی ہے کہ جبریہ کے سوا تمام مسلمانوں اور اہلِ سُنت کے جملہ فرقوں کا اتفاق ہے کہ مومنین کی اولاد جنت میں داخل کی جائے گی، اس لئے اس واقعہ سے اب کوئی استدلال نہیں کیا جاسکتا،

رہی حضرت عائشہؓ کی حدیث تو وہ ضعیف ہے، اس کو بیان کرنے میں طلحہ بن یحییٰ منفرد ہیں، اور محدثین نے اسی وجہ سے ان کی تضعیف کی ہے[1]

**فطرت کی ایک اور توجیہ** | اسحٰق کے قول کے اس دوسرے مفہوم کو اہل بصیرت نے نہ معتبر

---

[1] علامہ سیوطی نے بھی اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے (جامع صغیر جلد ا ص ۲۳، ) اور طلحہ بن یحییٰ کے متعلق اہلِ فن کے اقوال مختلف ہیں، اکثر نے اس کی تضعیف کی ہے، امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے لیکن بعض علمار سے اُن کی توثیق بھی منقول ہے، (تہذیب ج ۵ ص ۲۷) امام مسلم نے کئی طرق سے بیان کیا ہے، نیز ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے بھی اس کی روایت کی ہے، اسی لئے اکثر علمار کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے، آگے خود ابن عبد البر نے بھی اس کی تضعیف میں (ا) کی گرا ہیتہ،



سمجھا ہے، اور نہ علماے اہلسنت نے اُس کو پسند کیا ہے، بلکہ یہ جبریہ کا قول ہے، ایک اور جماعت کے نزدیک فطرت اس میثاقؐ کا نام ہے جو اللہ نے ذریت آدم سے اس کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے اور آدمؑ کی پشت سے نکالے جانے کے دن لیا تھا، اور جس کا ذکر الست بربکم میں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب نے علم و معرفت کے ساتھ ربوبیت الٰہی کا اقرار کیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسی معرفت و اقرار پر ان کو اُن کے آبا کی صلب سے نکال کر دنیا میں بھیجا، لیکن یہ ایمان کی معرفت و اقرار کے بجاے اللہ کا وہ طبعی و فطری اقرار تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قلوب میں جاگزیں کر دیا ہے پھر جب اُس نے اپنے رسولوں کو اُن کے پاس بھیجا، اور انھوں نے ربوبیت الٰہی کے اعتراف و قبول اور اپنی رسالت کی تصدیق کی دعوت دی تو معرفت کے باوجود بعض لوگوں نے کفر و جحود کا رویہ اختیار کیا، ان لوگوں کے نزدیک یہ چیز ناممکن ہے، کہ اللہ اپنی مخلوق کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت تو دے، لیکن ان کو اس کی معرفت و واقفیت نہ ہو، اس کو ماننے کی معنی یہ ہوتے، کہ اللہ ان کو اس چیز پر ایمان لانے کا مکلف بنا رہا ہے

---

[1] علامہ ابن تیمیہ نے جن کے متعلق پہلے گذر چکا ہے کہ انھوں نے فطرت سے ابتدار وا تنا کے معنی مراد لئے ہیں، اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ :- "دنیا میں ہر بچہ اسی عہد و اقرار یعنی حنیفیت پر پیدا کیا جاتا ہے جو خلقت کی ابتدار میں ظہور میں آیا تھا، اور جو عقول و طبائع میں جاری و ساری ہے، ......... لیکن اس اولین اقرار سے کوئی حکم یا ثواب نہیں مترتب ... ہوتا، کیونکہ مشرکین کے بچے اگر اپنے والدین کے درمیان ہوں، تو وہ انہی کے دین پر متصور سمجھے جائیں گے، اور اگر مرجائیں تو اُن کی جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی،

جس سے وہ واقف ہی نہیں ہیں حالانکہ اس کا ارشاد ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ | اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس |
| لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (زخرف - ۸۷) | نے بنایا ہے تو کہیں گے کہ اللہ نے، |

ان لوگوں کے عام دلائل بھی وہی ہیں، جو پہلے بیان کئے گئے ہیں، البتہ یہ لوگ حضرت ابی ابن کعبؓ کی ایک روایت کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں جو (واذ اخذ ربک من بنی آدم) کے سلسلہ میں وارد ہے، اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روز ازل میں بنی آدم سے اپنی ربوبیت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لانے کا عہد بھی لے گا،

حماد بن سلمہ سے کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اس سے وہ عہد مراد ہے، جو اللہ نے الست بربکم کہکر لوگوں سے اس وقت لیا تھا جب وہ اپنے آبا کے اصلاب میں تھے،

یہ قول درحقیقت اس سے پیشتر والے قول ہی کی طرح ہے کہ معرفت و اقرار کا تعلق ایمان سے نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کا وہ طبعی و فطری اقرار ہے جس کو اس نے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کر دیا ہے،

چھٹا مفہوم | ایک گروہ کے نزدیک فطرت سے وہ ارادۂ الٰہی اور مشیت ایزدی مراد ہے جس کے مطابق اللہ مخلوق کے قلوب کو پھیرا اور پلٹا دیا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بندہ کبھی کافر ہوتا ہے، پھر ایمان لاتا ہے، اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے، اور کبھی مومن ہوتا ہے، مگر پھر کافر ہو جاتا ہے، اور کفر ہی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے، اور کبھی وہ کافر ہوتا ہے، اور اسی حال پر برقرار رہتا ہے، یہاں تک کہ موت آجاتی ہے،



اسی طرح کبھی مومن ہوتا ہے، اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے، یہ گویا اللہ کی تقدیر اور بندوں کے لئے اس کا قانونِ فطرت ہے، ان لوگوں کی دلیل حضرت ابو سعید خدریؓ کی وہ حدیث ہے جس میں لوگوں کے مختلف احوال میں پیدا کئے جانے کا ذکر ہے،

ان لوگوں کا مدعا یہ ہے کہ فطرت سے مراد وہ قضا و قدر ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے اول سے آخر تک کے احوال کے لئے مقرر کیا ہے، بندہ کی حالت خواہ یکساں رہے یا مختلف ہوتی رہے سب پر فطرت کا اطلاق ہوگا، قرآن مجید میں ہے:-

| | |
|---|---|
| لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (انشقاق) | تم لوگوں کو ضرور چڑھنا ہے، سیڑھی پر سیڑھی |

اصولی حیثیت سے اگرچہ یہ مفہوم صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن لغوی حیثیت سے نہایت ضعیف ہے، واللہ اعلم"

ابھی تک حدیث کے سلسلہ میں ہم نے اہل سنت کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے مگر اہل بدعت[1] کا خیال یہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت سے ان کی پیدائش سے پہلے نہ کوئی عہد و میثاق لیا ہے، اور نہ وہ اپنی ماؤں کے بطون کے سوا کبھی اور پیدا کئے گئے ہیں، اسی طرح اس کا بنی آدم سے کوئی مکالمہ بھی نہیں ہوا کیونکہ اس کو ماننے کے بعد لازماً یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اللہ کی طرف سے لوگوں کو تین بار زندگی ملی ہے، حالانکہ قرآن مجید میں ہے،

| | |
|---|---|
| رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ، | (کفار) بولیں گے کہ اے ہمارے خداوند! تو نے ہم کو دوبار موت |
| (مومن - ۱۱) | اور دوبار زندگی عطا کی، |

---

[1] غالباً اس سے فرق باطلہ مراد ہوں گے،

یہ اگرچہ اہلِ دوزخ کا قول ہے لیکن قرآن مجید نے اس کی کوئی تردید نہیں کی بلکہ دوسری جگہ اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس نے کہا ہے:۔

| | |
|---|---|
| وکنتم امواتا (فی حال عدم | تم لوگ مردہ تھے (یعنی حالتِ |
| غیر وجود) فاحیاکم (یعنی | عدم میں جب کہ تم لوگوں کا اس |
| بخلقہ ایاکم) ثم یمیتکم | سے کوئی وجود ہی نہیں تھا) |
| ثم یحییکم (بقرہ ۲۸) | پھر (اللہ) نے تم لوگوں کو جلایا |
| | (پیدا کر کے) پھر تم لوگوں کو مارے گا |

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو زندگی اور موت کا مرحلہ دو ہی دفعہ پیش آتا ہے، آخر بے عقل و بے شعور لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی کیا بات چیت ہوئی گی، اور انھوں نے اس کو جواب کیا دیا ہوگا، اور پھر جو عہد و میثاق ان کو یاد تک نہ رہ گیا ہو تو اس سے اُن کے خلاف حجت کس طرح قائم کی جاسکتی ہے، جب کہ بھول چوک اور سہو و نسیان کا کوئی مواخذہ نہیں ہوتا، اس لئے آیتِ میثاق کی تاویل یہ ہوگی کہ اللہ نے لوگوں کو دنیا میں پیدا کر کے ان پر اس طرح حجت قائم کی ہے کہ ان کے لئے اُس نے ایک ایسی فطرۃ صحیحہ بنا دی ہے جس کے ذریعہ وہ سن رشد و شعور کو پہنچ جانے کے بعد یہ جان سکیں گے کہ اللہ ہی ان کا رب اور خالق ہے،

ان میں سے بعض لوگوں کے نزدیک اللہ نے ذریتِ آدم کو قرناً بعد قرنٍ ظاہر کر کے اُن کے نفوس کے خلاف اس طرح شاہد بنایا ہے کہ ان کی عقل و طبیعت میں وہ صلاحیت و دیعت کر دی ہے جو ان کو اُن کی خواہشات کے علی الرغم اقرار ربوبیت کی طرف لے جاتی ہے، اسی فطری و طبعی صلاحیت کے لحاظ سے گویا ان سے کہا گیا ہے



کہ (الست بربکم؟) اور انھوں نے اس کے جواب میں (بلی) کہا، پس یہ مجاز ہے نہ کہ حقیقت دوا تو، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ (الست بربکم) انبیاء کی زبانی کہا گیا ہے،

ان سب لوگوں کے نزدیک حدیث کی حیثیت ماثور و منقول کی ہے اور اس کا اس آیت کی تاویل سے کوئی تعلق نہیں ہے،

فطرت کے بارہ میں علمائے سلف کے جن آراء و اقوال کا علم ہو سکا ہے، ان کو ہم نے بالتفصیل بیان کر دیا اس ضمن میں ہم نے وہ رائے بھی تحریر کر دی ہے جو روایۃً و درایۃً ہمارے علم و نظر اور فہم و اجتہاد کے مطابق صحیح و صائب تھی لیکن ہم کو اس کی صحت پر اصرار نہیں ہے، ممکن ہے، دوسرے اربابِ علم و نظر کی رسائی وہاں تک ہو جائے جو ہم سے اوجھل رہ گئی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ حقائق و معارف کو جن علماء کے لئے چاہتا ہے منکشف کر دیتا ہے اور جن کے لئے چاہتا ہے ان پر مخفی و مستور رکھتا ہے، تاکہ مخلوق کا عجز و قصور اور خالق ذوالجلال والاکرام کی قدرت و کمال ظاہر و باہر ہو جائے،

---

# ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی

از

جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری، اڈیٹر البلاغ بمبئی

(۴)

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ماہ جون

**شیخ صفی الدین رودولوی**

حضرت شیخ صفی الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ نظام الدین غزنوی دہلوی رودولوی دہلی میں پیدا ہوئے، اُن کے دو بھائی شیخ رضی الدین اور شیخ فخر الدین تھے، یہ تینوں قاضی شہاب الدین کے نواسے اور اُن کے خصوصی تلامذہ میں ہیں، فتنۂ تیموری کے بعد شیخ صفی الدین اور ان کے بھائی اپنے خاندان کے ساتھ دہلی سے جونپور چلے آئے، اس خاندان کا قاضی شہاب الدین سے خصوصی رشتہ تھا، اور علم و فضل میں بھی ممتاز تھا، اس لئے سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے اسے مرحمت خسروانہ سے نوازا، شیخ صفی الدین نے دہلی ہی میں اپنے نانا قاضی شہاب الدین سے علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی، اُس کے بعد سید اشرف سمنانی سے طریقت کی تعلیم حاصل کرکے اُن کے محبوب ترین خلیفہ ہوئے، اور انھوں نے بھی اپنے نانا کی طرح فراغت کے بعد درس و افتاء اور تصنیف کا مشغلہ اختیار کیا، کافیہ کی شرح غایۃ التحقیق اُن کی مشہور تصنیف ہے جس میں اپنے نانا کی شرح کافیہ کو شروح کافیہ میں بہترین کتاب بتایا ہے، اور اس کی بڑی تعریف کی ہے، چلپی نے کشف الظنون میں غایۃ التحقیق کا تذکرہ کیا ہے، اُن کی دوسری مشہور کتاب علم صرف میں دستور المبتدی ہے، جسے اپنے صاحبزادے شیخ ابو المکارم اسمٰعیل کے لئے لکھا تھا، شیخ صفی الدین علم و حکمت میں یکتائے زمانہ اور شریعت و طریقت کے جامع تھے، ۱۳ ذی قعدہ ۹۱۰ھ میں فوت ہوئے، اس وقت ان کے نانا بقید حیات تھے،

اُن کے صاحبزادے شیخ ابو المکارم اسمٰعیل ۸۷۹ھ میں پیدا ہوئے، اس وقت اُن کا خاندان دہلی میں آباد تھا، سید اشرف سمنانی نے اُن کو بچپن ہی میں اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا تھا، والد نے اُن کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی، بڑے ذہین و طباع تھے، تقریباً سولہ[۱۶] سال ہی کی عمر میں علوم مروجہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کرکے درس و افادہ میں مشغول ہو گئے، ۹۱۰ھ میں اپنے والد شیخ صفی الدین کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے، اور تقریباً چالیس سال تک اپنے فیوض و برکات سے خلق اللہ کو مستفیض کرنے کے بعد ۱۱ ربیع الاول ۹۶۰ھ میں وفات پائی،

شیخ ابو المکارم اسمٰعیل کے چار صاحبزادے تھے، اور سب کے سب عالم و فاضل اور بزرگ تھے جن میں زیادہ مشہور حضرت شیخ عبد القدوس بن شیخ ابو المکارم اسمٰعیل بن شیخ صفی الدین بن شیخ نصیر الدین گنگوہی متوفی ۹۴۵ھ ہیں، جو حضرت شیخ احمد عبد الحق رودولوی کے پوتے شیخ محمد بن شیخ عارف کے مرید اور خلیفہ ہیں، آپ نے شیخ احمد عبد الحق کے ملفوظات و احوال کو انوار العیون فی اسرار المکنون میں جمع کیا ہے، ان کے علاوہ شیخ ابو المکارم اسمٰعیل کے تین صاحبزادے شیخ عبد الصمد، شیخ عزیز اور شیخ حبیب عرف مخدوم مٹھن تھے، یہ سب اپنے والد سے علم و معرفت حاصل کرکے ان کے خلیفہ ہوئے، اِن ہر سہ حضرات کا تعلق سلسلۂ چشتیہ نظامیہ سے تھا، اور شیخ عبد القدوس نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے منسلک ہو کر گنگوہ میں سکونت اختیار کی،[۱]

---

[۱] اخبار الاخیار، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر،

**قاضی رضی الدین ردولوی** انھوں نے بھی اپنے نانا قاضی شہاب الدین سے جملہ علوم وفنون حاصل کئے، اور اپنے اسلاف کے طرز پر درس وتدریس کی زندگی بسر کی، سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے اُن کو ردولی کا قاضی بنایا تھا، اسی لئے انھوں نے وہیں مستقل بود وباش اختیار کرلی، اس زمانہ میں اُن کے بڑے بھائی شیخ صفی الدین مرشد کامل کی تلاش میں ردولی گئے، وہاں سید اشرف سمنانیؒ سے ملاقات ہوئی، سید صاحب نے ان کو اپنے حلقۂ ارادت وخلافت میں لے لیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ رضی الدین سید اشرف سمنانیؒ کی وفات ۸۰۸ھ سے پہلے ہی ردولی کے قاضی بنائے جاچکے تھے، اور اس سے چند سال پہلے اُن کے والد اور نانا دہلی سے جون پور آگئے تھے، اور اُن کی پیدائش اور تعلیم وتربیت کے تمام مراحل دہلی ہی میں گذر چکے تھے، اور یہ تصریح اُن کے بارے میں صحیح نہیں ہے،

| | |
|---|---|
| ولد ونشاء بجونپور، و | وہ جون پور میں پیدا ہوئے اور |
| قرء العلم علی جدہ لامہ | وہیں نشو ونما پائی، اور اپنے نانا |
| الشھاب المذکور، و | قاضی شہاب الدین سے تحصیل علم |
| لازمہ مدۃ من الزمان[1] | کرکے ایک مدت تک اُن کی خدمت |
| | میں رہے، |

واقعہ یہ ہے کہ قاضی رضی الدین کی ولادت، نشو ونما اور نانا سے تحصیل علم کے تمام مراحل قیام دہلی کے زمانہ میں طے ہوچکے تھے،

**شیخ فخر الدین** شیخ صفی الدین اور شیخ رضی الدین کے حقیقی بھائی اور قاضی شہاب الدین کے نواسے ہیں، انھوں نے بھی اپنے بھائیوں کی طرح اپنے نانا کی خدمت میں رہ کر علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کی، تذکرہ علمائے ہند میں تینوں بھائیوں کے بارے

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۳ ص ۱۰۷،



میں تصریح ہے :-

"وہر یکے بخدمت قاضی شہاب الدین جد مادری خود باکتساب علوم متداولہ دانشمند متبحر شدند"

شیخ فخر الدین کے بارے میں بھی نزہۃ الخواطر کی یہ تصریح محل نظر ہے:

"ولد ونشأ بجونبور"[1]

**شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوریؒ** جونپور کے علمائے کبار اور مشائخ عظام میں ظاہری وباطنی کمالات میں جامع شخصیت رکھتے تھے، وطن دہلی تھا، تیموری فتنہ میں حدود ۸۰۱ھ میں جونپور چلے آئے، اس وقت اُن کی عمر صرف سات آٹھ سال کی تھی، اسی عمر میں شیخ فتح اللہ اودھیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے، جو اودھ کے رہنے والے تھے، اور دہلی میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے چکے تھے، مگر جونپور آنے کے بعد اس مشغلہ سے کنارہ کش ہوگئے تھے، اسلئے انھوں نے اپنے اس کم سن مسترشد کو مشورہ دیا، کہ وہ قاضی شہاب الدین کی درسگاہ میں داخل ہوکر علوم شرعیہ کی تکمیل کریں،

نہایت ذہین وذکی تھے، اس لئے قاضی صاحب نے بھی اُن کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اور اسی شاگرد عزیز کے لئے اصول بزدوی کی شرح تا بحث امر تحریر فرمائی قاضی صاحب ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے،

شیخ محمد بن عیسیٰ تکمیل کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے مگر بعد میں اس کو ترک کرکے اپنے شیخ ومرشد فتح اللہ اودھیؒ کی صحبت میں رہے، اور علائق دنیا سے علٰحدہ ہوگئے اور عبادت وریاضت کی دنیا آباد کی، قاضی شہاب الدین کو اپنے اس شاگرد کی ولایت

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۹۰ - ونزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۱۵،

وکرامت پر بڑا ناز و اعتماد تھا، ایک بار مولانا فقیہ حیرتی سے مناظرہ کے سلسلہ میں اُن کی خصوصی توجہ چاہی تھی،

سلطان ابراہیم شاہ اور اُن کا لڑکا سلطان محمود شاہ اُن کا بیحد معتقد تھا، دونوں بادشاہوں نے بارہا خدمت کرنی چاہی، مگر انھوں نے ہمیشہ استغنار اور بے نیازی ظاہر کی، دوسرے امراء وحکام کے ہدایا وتحائف بھی قبول نہیں کرتے تھے، اس سلسلہ میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے،

من فقرِ خود بملک سلیماں نمی دہم | من دیتِ خود بافسرِ شاہاں نمی دہم
ایں رنج را براحتِ شاہاں نمی دہم | اندر نجِ فقر در دلِ گنجے کہ یافتم

حضرت شیخ محمد بن عیسیٰ ۴ ربیع الاول ۹۰۰ھ میں فوت ہوئے،

اُن کے تلامذہ میں شیخ بہاء الدین عمری جونپوری متوفی ۹۱۱ھ بڑے مرتبہ کے عالم وبزرگ ہیں، شیخ محمد بن عیسیٰ سے تعلیم حاصل کرکے سید راجہ حامد شاہ مانک پوری سے طریقت کی تعلیم وتربیت پائی، اور نو سال تک اُن کی خدمت میں رہے، اس کے بعد حرمین شریفین میں تیس سال تک زہد وتقویٰ اور علم وفضل کی زندگی بسر کی، مکہ مکرمہ کے علماء ومشائخ سے حدیث اور طریقت میں کسبِ فیض کیا، اور کتبِ احادیث سے خصوصی شغل وشغف رکھا، ارشاد السالکین اُن کی مشہور کتاب ہے،

شیخ محمد بن عیسیٰ کے دوسرے مشہور شاگرد شیخ مبارک ارزانی بنارسی متوفی ۹۸۱ھ ہیں، جو علم حدیث میں نمایاں شخصیت رکھتے تھے، اُن کو دینی وعلمی مرتبہ کے ساتھ دنیاوی جاہ وجلال بھی حاصل تھا، شیر شاہ سوری اور اس کے لڑکے سلیم شاہ سوری کے عہد حکومت میں وزارت کے عہدہ پر فائز رہے، مدارج الاخبار اُن کی مشہور تصنیف ہے،



جس میں مشارق الانوار کی حدیثوں کو ترتیب دیا ہے[1]

**مولانا عبد الملک عادل جونپوری** جونپور میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں قاضی شہاب الدین کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، اور اٹھارہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت پاکر یکتائے زمانہ ہوئے، اور اپنے استاذ کے جانشین بنے، اور اُن کے طریقہ پر درس وافتا، اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا، قاضی شہاب الدین کی وفات کے بعد اُن کے مدرسہ کے صدر المدرسین اور جانشین بنائے گئے، اور پچاس سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ میں فوت ہوئے،

مولانا عبد الملک عادل کے تلامذہ میں شیخ الٰہ داد بن عبد اللہ جونپوری متوفی ۹۲۳ھ زبردست عالم وفاضل اور باخدا بزرگ تھے، سید راجہ حامد شاہ مانک پوری کے مرید وخلیفہ تھے، انھوں نے بھی اپنے اسلاف واساتذہ کے طریقہ پر فراغت کے بعد درس، افتاء اور تصنیف کا مشغلہ اختیار کیا، اپنے استاذ الاستاذ قاضی شہاب الدین کی شرح کافیہ پر بہترین حواشی لکھ کر اس کی شرح وتعلیق کی، نیز ہدایہ، اصول بزدوی اور تفسیر مدارک التنزیل کے شروح وحواشی لکھے، اُن کی شرح کافیہ کو قبول عام حاصل ہوا، اپنے زمانہ میں جونپور کے مشہور اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اُن کے صاحبزادے شیخ بھکاری عہد

.. .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. ..

لودھی کے علماء فحول میں تھے، ایک مرتبہ سلطان وقت نے دہلی میں مناظرہ کی مجلس منعقد کی، جس میں ایک طرف شیخ عبد اللہ تلنبی اور شیخ عزیز تلنبی تھے، اور دوسری طرف شیخ الٰہ داد اور اُن کے صاحبزادے شیخ بھکاری تھے، سر دربار مناظرہ کے بعد معلوم ہوا کہ شیخ الٰہ داد اور شیخ بھکاری علوم ومسائل کی تنقیح میں ماہر ہیں، اور اُن کے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۷۵، تذکرہ علمائے ہند ص ۲۰۵، نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۴۳،

بہ مقابل دونوں علما تقریر میں آگئے ہیں۔[۵]

**مولانا قطب الدین ظفرآبادیؒ** | ۸۰۳ھ میں ظفرآباد میں پیدا ہوئے، حفظِ قرآن کے بعد ابتدائی کتابیں اپنے والد شیخ نور الدین حسینی واسطیؒ سے پڑھیں، اس زمانہ میں قاضی شہاب الدین کی علمی و تدریسی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا، اور دور دور سے تشنگانِ علم ان کے چشمۂ علم پر آکر سیراب ہو رہے تھے، شیخ قطب الدین نے بھی قاضی صاحب کی خدمت میں اس طرح حاضری دی کہ پھر کسی دوسری درس گاہ کا رُخ نہیں کیا، اور تمام کتبِ درسیہ اور علوم متداولہ کی تکمیل چار سال تک اُن ہی کی شاگردی میں رہ کر کی، اس کے بعد اپنے والد سے طریقت حاصل کر کے حج و زیارت سے مشرف ہوئے، نہایت متواضع، خوش اخلاق اور عابد و زاہد عالم و بزرگ تھے، اُن کی ذات سے بہت سے بندگانِ خدا کو فیض ملا، ۲۰ رجمادی الاخری ۸۶۹ھ میں ظفرآباد میں فوت ہوئے،

**مولانا علاء الدین جونپوریؒ** | جونپور کے مشاہیر علماء و اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے، انھوں نے ایک مدت تک قاضی شہاب الدین کی خدمت میں رہ کر مروجہ علوم و فنون حاصل کئے، اسی شاگرد عزیز کے لئے قاضی صاحب نے کافیہ کی شرح لکھی تھی، جسے بعد میں علماء و مدرسین اور طلبہ و تلامذہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، شیخ علاء الدین بیس سال کی عمر میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو گئے، اور درس و افتاء کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا، اُن کی تصانیف میں اپنے استاذ قاضی شہاب الدین کی شرح کافیہ کی شرح بھی ہے، استاذ نے اپنے عزیز شاگرد کے لئے جو کتاب لکھی، شاگرد نے اسکی شرح لکھ کر حق شاگردی ادا کرنے کی کوشش کی، جونپور میں فوت ہوئے،[۶]

[۵] اخبار الاخیار ص ۱۹۱، تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵، و ص ۳۳، نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۱۴۱،
[۶] تجلی نور، و نزہتہ الخواطر،



"قاضی شہاب الدین کے سلسلۂ تلامذہ میں قاضی سماء الدین جونپوری بھی شامل ہیں، جنھوں نے قاضی صاحب کے تلامذہ سے تحصیلِ علم کی تھی، اور اپنے زمانہ کے اعلم العلماء اور سلطان حسین شاہ شرقی کے اُستاد تھے، بعد میں سلطان مذکور نے اُن کو اپنا وزیر بنا کر قتلغ خاں کا لقب دیا تھا، ۸۸۳ھ میں جب سلطان حسین شاہ اور سلطان بہلول لودھی میں مقابلہ ہوا، تو مولانا سماء الدین سلطان حسین کے ہمراہ تھے، سلطان بہلول لودھی نے اُن کو گرفتار کر کے دہلی میں قید کیا، ۹۰۴ھ تک ان کے زندہ رہنے کی تصریح ملتی ہے،[۱]

**تصانیف** | قاضی شہاب الدین تدریسی خدمات کے ساتھ تصنیفی کارناموں میں بھی اپنے اقران و معاصرین میں خاص شہرت رکھتے ہیں، انھوں نے مختلف علوم و فنون میں ایسی معیاری کتابیں لکھیں جو آٹھویں صدی کے اسلامی ہند کی یادگار بن گئیں، اُن کے ہر تذکرہ نگار نے اُن کی تصنیفی خدمات کا خاص طور سے ذکر و اعتراف اور اُن کی کتابوں کا تعارف کرایا ہے، سب سے پہلے قاضی صاحب کے شیخ و مرشد سید اشرف سمنانیؒ نے جو خود بھی زبردست عالم و مصنف تھے، اُن کی تصانیف کی داد دی ہے، شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے ان کی کئی تصانیف کا شاندار الفاظ میں تعارف کرایا ہے، فرشتہ نے لکھا ہے:-

"تصانیف مستحسنہ مفیدہ آن بزرگوار شہرت عام دارد"

اس کے بعد چند خاص کتابوں کے نام درج کئے ہیں، (ج ۲ ص ۳۰۶) سبحۃ المرجان میں ہے:-

والف كتبا سارت بها الركبان     قاضی صاحب نے وہ کتابیں لکھیں
العرب والعجم (ص ۳۹)     جن کو عرب و عجم کے علمی قافلے اپنے

[۱] تذکرہ علمائے ہند ص ۹۶ و نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۱۱۵،

خزینۃ الاصفیا میں ہے "تصانیف و توالیف عالی دارد" (ج اص ۳۹۰) تذکرہ علمائے
ہند میں ان کی تصنیفی خدمات کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے "قاضی وسادۂ افادہ و درس نحو و
مزین فرمود، وبہ تصنیف کتب معروف گردید" اور بعض کتابوں کا نام بھی لکھا ہے کسی مصنف
کی کتابوں کا قبول عام اس کی زندگی ہی میں حاصل ہونا بڑی سعادت کی بات ہے،
اور یہ سعادت قاضی صاحب کو حاصل تھی، چنانچہ اُن کی حیات ہی میں ان کی کتابوں
کو ہند اور بیرون ہند کے علماء نے پڑھا، پڑھایا، اُن کی شرحیں لکھیں، ان کے اقتباسات سے
اپنی کتابوں کو زینت دی، اور اُن کے ساتھ خصوصی اعتناء کیا۔

قاضی صاحب کے تدریسی و تصنیفی جوہر قیام جونپور کے بعد ظاہر ہوئے، دہلی کے
زمانۂ قیام میں اس کا کوئی نشان نظر نہیں آتا، چنانچہ ان کے تذکرہ نگاروں نے اُن کی
تصانیف کو جونپور کے زمانۂ قیام کی خدمات میں شمار کیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے بھی
قاضی صاحب چند کتابیں لکھ چکے تھے خصوصاً الارشاد، بدیع البیان، جامع الصنائع
اور بحر المواج کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قیام دہلی کے زمانہ میں لکھی
گئی تھیں، کیونکہ قاضی صاحب نے دہلی سے جونپور آنے کے چند سال کے بعد ان کتابوں کو
سید اشرف سمنانی متوفی سنہ ۸۰۸ھ کی خدمت میں پیش کیا تھا،

مختلف کتابوں سے آپ کی حسب ذیل تصانیف معلوم ہو سکی ہیں:-

(۱) الارشاد فی النحو، (۲) حواشی کافیہ، (۳) بدیع البیان، (۴) جامع الصنائع،
(۵) بحر المواج (۶) شرح اصول بزدوی تا بحث امر، (۷) رسالہ در تقسیم علوم، (۸)
مناقب السادات (۹) المصباح، (۱۰) فتاویٰ ابراہیم شاہی، (۱۱) عقیدۂ شہابیہ،
(۱۲) شرح قصیدہ بانت سعاد، (۱۳) شرح قصیدۂ بردہ، (۱۴) رسالہ معارضہ



(۱۵) ہدایۃ السعداء (۱۶) رسالہ در طہارت زہاد (۱۷) رسالہ در افضلیت عالم بر سید (۱۸)
ایک کتاب تفسیر میں، ان کتابوں کا مختصر تعارف یہ ہے،

**الارشاد فی النحو** | علم نحو میں اس نام کی متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، مگر قاضی صاحب کی کتاب
کو جو مقبولیت حاصل ہوئی، وہ کسی اور الارشاد کے حصہ میں نہیں آئی، ملک اور بیرون ملک
میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اس کی اہمیت و افادیت کو سب سے پہلے سید اشرف سمنانی[۵۱]
نے ان شاندار الفاظ میں ظاہر فرمایا "انیکہ می گوئند سحر از ہندستان راست آمدہ غالباً ایں راست سحر بود"
شاہ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے "وارشاد در نحو کہ در دستے تمثیل در ضمن تعبیر التزام نمودہ و ترتیب
جدید اختیار فرمودہ است نیز متنے است لطیف و بے نظیر و قریب"[۵۲]
تاریخ فرشتہ میں ہے ،۱-"و متن ارشاد کہ در نحو کہ بلیغ المثال است"[۵۳] سبحۃ المرجان میں ہے،

| | |
|---|---|
| والارشاد وھو متن فی النحو | ارشاد علم نحو کا متن ہے، اس میں |
| التزم فیہ التمثیل المسألۃ | ہر مسئلہ کی تعریف کے ضمن میں اس کی |
| فی ضمن تعریفھا[۵۴] | مثال کا التزام کیا ہے، |

کشف الظنون میں ہے:-

| | |
|---|---|
| والارشاد متن لہ فی النحو | ارشاد علم نحو میں ایک متن ہے جس |
| تعمق فی تھذیبہ کل التعمق | کی تہذیب و تنقیح میں قاضی صاحب |
| وتانق فی ترتیبہ حق التانق | نے بڑا اہتمام کیا ہے، اور ترتیب |
| اولہ الحمد للہ کما یجب و | میں کمال دکھایا ہے، اس کی ابتدا |

۵۱ لطائف اشرفی ج ا ص ۱۰۶ ۵۲ اخبار الاخیار ص ۱۷۵، ۵۳ تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶،
۵۴ سبحۃ المرجان ص ۳۹،

یرضی[۱]
الحمد للہ کما یحب و یرضی سے ہوئی ہو،

صاحب خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے "دوم کتاب ارشاد کہ در علم نحو بے عدیل"[۲]

اس کتاب کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر ہند اور بیرون ہند کے مشاہیر نے اس کے شروح و حواشی لکھے، چنانچہ علمائے ہند میں مولانا شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی متوفی ۹۹۸ھ نے اس کی ایک شرح لکھی تھی، سبحۃ المرجان میں اُن کی تصانیف کے ذکر میں لکھا ہے،

شرح الارشاد للقاضی شہاب الدین الدولتابادی فی النحو[۳]

علامہ وجیہ الدین علوی کی تصانیف میں الارشاد فی النحو مؤلفہ قاضی شہاب الدین کی شرح بھی ہے

تذکرہ علمائے ہند میں بھی شیخ وجیہ الدین علوی کی اس شرح کا ذکر ہے[۴]

باہر کے علماء میں مشہور محشی ابو الفضل خطیب گازرونی نے ارشاد کی ایک شرح لکھی ہے جس کا تذکرہ کشف الظنون میں ان الفاظ میں ہے:-

وعلی متن الہندی شرح ممزوج للفاضل العلامۃ ابی الفضل الخطیب الکازرونی المحشی[۵]

قاضی شہاب الدین ہندی کے متن الارشاد پر علامہ ابو الفضل خطیب گازرونی نے اس طرح شرح لکھی ہے کہ متن اور شرح کی عبارتیں ملی جلی ہیں،

خطیب گازرونی نے قاضی صاحب کی شرح کافیہ پر بھی حواشی لکھے ہیں، تذکرہ علمائے ہند

---

۱ کشف الظنون ج ۱ ص ۷۰، ۲ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۵۰، ۳ سبحۃ المرجان ص ۴۵،
۴ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۰، ۵ کشف الظنون ج ۱ ص ۸۶،



کے مصنف نے ارشاد کا ایک نسخہ مولانا مفتی علی کبیر مچھلی شہری کے کتب خانہ میں دیکھا تھا[۱]
اس کا ایک قلمی نسخہ لائیڈن کی لائبریری میں موجود ہے[۲]

**بدیع البیان** اس کا نام بعض کتابوں میں بدیع المیزان درج ہے، عربی میں علم بیان اور بلاغت میں نہایت جامع متن ہے، اس زمانہ کے ذوق کے مطابق اس کی عبارت مسجع مقفی ہے، اُسے بھی قاضی صاحب نے سید اشرف سمنانی کی خدمت میں پیش کیا تھا، اور آپ نے اُس کو پسند فرمایا تھا[۳] شاہ عبد الحق صاحب اُس کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"بدیع البیان نیز نسخہ ایست در علم بلاغت دریں جا مقید بسجع شدہ است"[۴]

صاحب سبحۃ المرجان نے اس کا نام بدیع المیزان بتایا ہے، اور لکھا ہے "وبدیع المیزان وھو متن فی فن البلاغۃ بعبارات مسجعۃ"[۵]

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے اسے اپنے فن میں لاثانی کتاب بتایا ہے، "سیوم بدیع البیان در علم بلاغت لاثانی است"[۶]

**بحر مواج** فارسی میں کئی جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر ہے، اس کی تہذیب و تنقیح نہیں ہو سکی، اور تسوید کے بعد کسی سبب سے تبییض کی باری نہیں آئی، اس لئے اس میں حشو و زوائد رہ گئے، سید اشرف سمنانی نے اسے دیکھ کر کہا تھا "سخن خالی از اطالتے نیست"[۷] شاہ صاحب نے اس کے متعلق یہ تفصیل لکھی ہے:-

"بحر مواج تفسیر قرآن مجید کردہ بعبارت فارسی، و در وے بیان ترکیب و معنی فصل و وصل دادہ است و دریں جا نیز برائے سجع تکلف کردہ است، قابل اختصار

اخبار الاخیار ص ۱۷۵

---

۱ المنجد فی العلوم والادب ص ۱۳۷، ۲ لطائف اشرفی جلد ۲ ص ۱۰۶، ۳ اخبار الاخیار ص ۱۷۵،
۴ سبحۃ المرجان ص ۳۹، ۵ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۹۰، ۶ لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۶،

شاہ صاحب کے اندازِ بیان اور تفصیلی تعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ
یہ کتاب اُن کی نظر سے گذری تھی، صاحب خزینۃ الاصفیا نے لکھا ہے "بحر مواج تفسیر قرآن
کہ بعبارت فارسی نہایت مقبول[1]" صاحب اخبار الاصفیا نے اس کتاب کے بارے میں
قاضی صاحب کا ایک جواب نقل کیا ہے کہ زمانۂ تصنیف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کتاب کو بیحد پسند فرمایا اور قاضی صاحب کو اس کی جلد از جلد تکمیل کی تاکید فرمائی،
اس لئے قاضی صاحب نے تعمیل ارشاد میں بعجلت تمام کتاب مکمل کی،

اس واقعہ کے آخر میں لکھا ہے "اختتام تفسیر ہماں بود، واجزاء حیاتش از شیرازہ
بدن پراگندہ شدن ہماں[2]" حالانکہ بحر مواج قاضی صاحب کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے،
انھوں نے اسے ۸۰۰ھ سے پہلے سید اشرف سمنانی کی خدمت میں پیش کیا تھا، اور اس کے
تقریباً چالیس[3] سال بعد فوت ہوئے، اخبار الاصفیا کے علاوہ قاضی صاحب کے کسی تذکرہ
نگار نے یہ واقعہ بیان نہیں کیا ہے،

**جامع الصنائع** | یہ کتاب فارسی میں علم بدائع وصنائع میں ہے، سید اشرف سمنانیؒ نے اُسے
دیکھ کر کہا تھا "حضرت قاضی دریں فن ہم دست زدہ اند[4]" پھر اپنے متوسل خاص شیخ اوحدی
کے بارے میں جو فارسی زبان کے زبردست شاعر تھے، قاضی صاحب سے فرمایا "چوں ہمہ
از علوم سر بردہ آید، فارسی را بشیخ گذارید" شاہ صاحب نے اس کے بارہ میں لکھا ہے،
"در صنائع نیز رسالہ فارسی دارد" (اخبار الاخیار ص ۱۷۵) اور صاحب خزینۃ الاصفیا نے
لکھا ہے "ششم رسالہ در تقسیم صنائع" (ج ۱ ص ۳۹۱)

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ صفحہ ۳۹۱ [2] اخبار الاصفیاء ورق ۶۰
[3] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۶،



**حواشی کافیہ** | یہ کتاب شرح کافیہ، شرح ہندی اور حاشیۂ ہندی کے ناموں سے بھی
مشہور ہے، علم نحو کے مشہور متن کافیہ ابن حاجب کی عربی میں نہایت مفید شرح ہے،
قاضی صاحب نے اپنے لائق ترین شاگرد مولانا علاء الدین عمری جون پوری کے لئے
تحریر کیا تھا، اور اُن کو اس کا درس بھی دیا تھا، قاضی صاحب کو اس کتاب کی
اہمیت وافادیت کا خاص خیال تھا، اور انھوں نے اسے اپنے خواجہ تاش اور معاصر عالم
قاضی نصیر الدین کی خدمت میں بھیجا، جو اس زمانہ میں درس وتدریس کا مشغلہ رکھتے
تھے، اور یہ خواہش کی کہ اگر آپ اس کتاب کو اپنے یہاں داخل درس کرلیں تو دوسرے
علماء بھی اعتناء کریں گے، قاضی نصیر الدین نے قاضی صاحب کی خواہش تو پوری نہیں
کی، مگر اس کی داد دی کہ "خوب نوشتہ اند احتیاج درس گفتن نیست[1]" اس کے بعد قاضی
صاحب کی تمنائیں پوری ہوئی، اور ان کی زندگی ہی میں یہ کتاب مقبول ہو کر داخلِ
درس ہوئی، کئی علماء نے اُس کی شرحیں اور حواشی لکھے، شاہ عبد الحق صاحب لکھتے ہیں؛

"از تصنیفات او کیے حواشی کافیہ است کہ در لطافت ومتانت بے عدیل
واقع شدہ، وہم در حالتِ حیاتِ او مشہور عالم گشتہ"؛

(اخبار الاخیار ص ۱۷۵)

صاحبِ مشکوۃ النبوۃ نے بھی اسی کتاب کی تعریف وتوصیف میں شاہ صاحب
کے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں[2]؛

فرشتہ نے لکھا ہے کہ "حاشیہ کافیہ کہ مشہور است بحاشیۂ ہندی[3]" صاحب سبحۃ المرجان
نے اُسے قاضی صاحب کی مشہور ترین تصنیف قرار دیا ہے، والحواشی علی کافیۃ

[1] اخبار الاخیار ص ۱۷۶، [2] مشکوۃ النبوۃ قلمی ص ۲۳۱؛ [3] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶،

النحو، وھی اشھر تصانیفہ[1]،

اس کتاب کی سب سے پہلی شرح قاضی صاحب کے اسی شاگرد رشید نے لکھی، جس کے لئے انھوں نے اسے تحریر فرمایا تھا چنانچہ مولانا علاء الدین جونپوری نے فراغت کے بعد اس پر مفصل حاشیہ لکھا، اس کے بعد قاضی صاحب کے تلمیذ التلمیذ مولانا الہ داد جونپوری نے اس کا ایک حاشیہ لکھا، بیرونِ ہند کے شارحین میں مولانا ابو الفضل خطیب گازرونی، شیخ غیاث الدین منصور، اور شیخ توقانی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں، کشف الظنون میں شرح کافیہ کے بیان میں ہے، :-

| | |
|---|---|
| وشرحھا شھاب الدین احمد بن عمر الھندی المتوفی ۸۴۹ھ تسع واربعین وثمانمائة، وعلیہ حاشیة لمولانا الفاضل میان الله (میاں الله داد) الجانپوری و علی شرح الھندی حاشیة للتوقانی، وللکازرونی، و لغیاث الدین منصور[2]، | شہاب الدین احمد بن عمر ہندی متوفی ۸۴۹ھ نے کافیہ کی شرح لکھی، جس پر مولانا میاں الہ داد جونپوری کا حاشیہ ہے، نیز اس شرح ہندی پر توقانی، گازرونی اور غیاث الدین منصور کے حواشی ہیں، |

تجلی نور میں ہے کہ جب شیخ عبد الرحمن جامیؒ نے کافیہ کی شرح لکھی، اور قاضی صاحب نے اسے ملاحظہ کیا، تو فرمایا کہ "ملا جامی خلاصۂ شرح ہندی ما نوشت[3]" جو بظاہر صحیح نہیں

۱؎ سبحۃ المرجان ص ۳۹، ۲؎ کشف الظنون ج ۲ ص ۲۵۰، ۳؎ تجلی نور ج ۱ ص ۳۴،



معلوم ہوتا، کیونکہ حضرت شیخ عبد الرحمن جامی کی وفات ۸۹۸ھ میں ہوئی، اور اُن سے تقریباً چالیس سال پہلے قاضی صاحب کی وفات ہو چکی تھی،

**رسالہ در تقسیم علوم** یہ رسالہ فارسی میں تھا، اخبار الاخیار (ص ۱۷۵) خزینۃ الاصفیا، (جلد ۱ ص ۳۵۱) تذکرہ علمائے ہند (ص ۸۸) میں اس کا نام "رسالہ در تقسیم علوم" درج ہے، سبحۃ المرجان میں بھی اس کا تذکرہ ہے، نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعریفاتِ سید جرجانی کے طرز پر یہ کوئی کتاب ہوگی، جس میں علوم و فنون کی تعریف و تقسیم کا بیان ہوگا،

**رسالہ در طہارتِ زباد** قاضی صاحب کی تصانیف کی فہرست میں اس نام کی کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، البتہ اُن کے اور شیخ ابو الفتح کے درمیان فقہی بحث و مناظرہ کے سلسلہ میں اس کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے شیخ ابو الفتح کے تذکرہ میں قاضی شہاب الدین سے اُن کے مباحثہ کے ذکر میں لکھا ہے،

"و قاضی بطہارتِ او می رفت، و آنچہ وے در بعضے رسائل کہ درین مبحث تالیف کردہ نوشتہ است الخ[1]"

زباد یعنی کچے نافۂ مشک کو قاضی صاحب پاک اور شیخ ابو الفتح ناپاک مانتے تھے، اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے،

**رسالہ افضلیت عالم بر سید** اس کتاب کا نام بھی قاضی صاحب کی مستقل تصانیف میں نہیں ملتا، صرف مناقب السادات کی تصنیف کے سلسلہ میں اس کا پتہ چلتا ہے، شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سید اجل اور قاضی صاحب کے درمیان دربار میں تقدیم و تاخیر کے معاملہ میں تکرار ہو گئی، قاضی صاحب نے کہا "عالمیت ما شخص و تیقن است و علوت نسما

۱؎ اخبار الاخیار ص ۱۷۰،

مشلوک، پس مارا تقدیم و ترجیح بر شما ثابت باشد و درین باب رسالہ نوشت[1]"

اس رسالہ کی تصنیف پر قاضی صاحب کے ایک استاذ ناراض ہوگئے، اس لئے انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرکے مناقب السادات لکھی، صاحب خزینۃ الاصفیا نے اس رسالہ کو کتاب کے نام سے یاد کیا، اور لکھا ہے، "ازیں سبب کتابے در ذکر فضیلت علماء بر سادات تصنیف کردہ، و دراں کتاب درج کرد کہ فضیلتِ علماء بسبب علم کہ ہست در عالم اظہر است و فضیلتِ علویت سادات موہوم کہ اثبات آن بس مشکل" پھر لکھا ہے، کہ قاضی صاحب نے بعد میں اس کتاب کو دریا برد کردیا" وکتابے کہ تصنیف کردہ بود در دریا انداخت و بجائے آن در مناقب سادات رسالہ تالیف کرد[2]"

**شرح اصول بزدوی** | فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی متوفی ۴۸۲ھ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاصول فی الفقہ اصول فقہ پر نہایت مشہور اور جامع کتاب ہے، مگر الفاظ و عبارات میں اجمال و ابہام کی وجہ سے سخت مشکل ہے، اس لئے بہت سے علماء و فقہاء نے اس کے شروح و حواشی لکھے،

آٹھویں صدی میں جو مشکل پسندی کا دورِ شباب ہے، اس کے شروح و حواشی کا زور تھا، اور خود اصول بزدوی ہندوستان میں بہت رواج پذیر تھی، جون پور میں قاضی صاحب کے معاصر مولانا فقیہ حیرتی، اس کے رموز و نکات کے خصوصی ماہر اور مشہور مدرس تھے، اور بیسیوں بار اس کا درس دے چکے تھے، قاضی صاحب نے اپنے تلمیذ عزیز شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری کی خاطر اصول بزدوی کی ایک شرح بحث امر تک تحریر فرمائی تھی، صاحب اخبار شیخ محمد بن عیسیٰ کے حال میں لکھتے ہیں:- "شرح اصول بزدوی

[1] اخبار الاخیار ص ۱۷۰، [2] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۳۹۱،



کہ قاضی تا بحث امر بتقریب او نوشتہ است" (ص ۱۷۵) صاحب تذکرہ علمائے ہند نے بھی یہی لکھا ہے، (ص ۲۰۵)

**شرح قصیدہ بانت سعاد** | قصیدہ بانت سعاد وہ مشہور و مبارک قصیدہ ہے جسے حضرت کعب ابن زہیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا تھا، اور آپ نے خوش ہوکر ردائے مبارک عطا فرمائی تھی، اہلِ دل علماء و ادبا نے مختلف انداز میں اسکی شرحیں لکھی ہیں، قاضی صاحب نے بھی ایک شرح تحریر کی ہے، جو بقول صاحب سبحۃ المرجان شرح بسیط علی قصیدۃ بانت یعنی قصیدہ بانت سعاد کی مفصل شرح ہے، (ص ۳۹)

تذکرہ علمائے ہند میں بھی اس شرح کا ذکر ہے، (ص ۸۰) یہ شرح مدت ہوئی دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد سے طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے،

**شرح قصیدہ بردہ** | حضرت شیخ بوصیری کا قصیدہ بردہ نعت و منقبت رسول میں بڑا پُر اثر اور والہانہ قصیدہ ہے، اور عباد و علماء کو اس سے خاص شغف رہا ہے، اس کے بہت سے معاوضے تضمینیں اور شروح و حواشی لکھے گئے، قاضی صاحب نے بھی اُس کی ایک شرح لکھی ہے، نزہۃ الخواطر (ج ۳ ص ۲۰) میں اس کی تصریح موجود ہے،

**عقیدۂ شہابیہ** | یہ کتاب کلام و عقائد میں ہے، اس کا تذکرہ فرشتہ نے ان الفاظ میں کیا ہے، "و رسالہ عقیدۂ شہابیہ نیز از مولفاتِ اوست[1]" نزہۃ الخواطر میں بھی اس کا ذکر ہے[2] غالباً فارسی زبان میں کوئی مختصر سا رسالہ ہوگا،

**فتاوائے ابراہیم شاہی** | اپنے قدرداں اور محسن علم و فن سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے نام پر یہ کتاب عربی میں لکھی تھی، جس میں فقہی مسائل و فتاوے درج تھے، تاریخ فرشتہ (جلد

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶ و [2] نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۔

ص ۶۰، تذکرہ علمائے ہند (ص ۹۰) میں اس کا نام فتاویٰ ابراہیم شاہی ہے، مگر تجلی نور (جلد ۲ ص ۴۳) میں ہے "اصول ابراہیم شاہی بوی نوشتہ" اس میں نام کے اختلاف کے ساتھ اس کے عربی زبان میں ہونے کی تصریح ہے،

یہ واضح رہے کہ سلطان ابراہیم شاہ کے نام پر "فتاویٰ ابراہیم شاہیہ" نامی ایک کتاب قاضی احمد بن محمد جونپوری نے بھی لکھی تھی، جس کے بارے میں صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ فتاویٰ قاضی خاں کے طرز کی کتاب ہے، اور ۱۶۰ کتب فقہیہ سے ماخوذ و مرتب ہے، قاضی احمد بن محمد جونپوری سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے زمانہ میں گجرات سے جونپور آئے، سلطان نے اُن کو عنایاتِ شاہانہ سے نوازا، اور عہدۂ قضا پر پیش کیا، قاضی احمد نے اس کے شکرانہ میں سلطان کے نام پر یہ کتاب لکھی، طبقاتِ اکبری نے قاضی شہاب الدین کی کتاب فتاویٰ ابراہیم شاہی وغیرہ کو عہد ابراہیمی کی زریں یادگار بتایا ہے، "وچند کتب و رسائل بنام او تصنیف شدہ، مثل حاشیہ ہندی و بحر المواج و فتاویٰ ابراہیم شاہی و ارشاد وغیرہ"[1]

**مصباح** اس کتاب کا تذکرہ صرف تاریخ فرشتہ (ج ۲ ص ۳۰۶) میں ہے، مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کس فن اور کون سی زبان میں ہے،

**معافیہ** اس کتاب کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے ان الفاظ میں کیا ہے،

المعافیہ الشیخ شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الدولت آبادی الہندی ذکرھا فی آخر ارشادہ[2]

معافیہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب ہے، انھوں نے اس کا تذکرہ الارشاد کے آخر میں کیا ہے،

---

[1] طبقاتِ اکبری ص ۵۰۰، [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۴۵۸،



ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کو نہیں دیکھا تھا، غالباً یہ عربی زبان میں علم نحو میں مختصر رسالہ رہا ہوگا

**ہدایۃ السعداء** یہ کتاب فارسی میں تھی، جس میں غالباً وعظ و نصیحت اور اخلاقیات سے متعلق مضامین تھے، اس کا تذکرہ نزہۃ الخواطر میں ہے،

**ایک اور تفسیر** قرآن پاک کی آیت "فسحقاً لاصحاب السعیر" کی تفسیر میں کوئی کتاب لکھی تھی، اس کا پتہ کشف الظنون کی اس عبارت سے چلتا ہے،

کتاب عرف الوردی فی نصرۃ الشیخ الھندی لمحمد بن ابراھیم الحلبی المعروف بابن الحنبلی المتوفی سنۃ احدی وسبعین وتسعمائۃ، وھو رسالۃ فی الرد علی عبد اللطیف المشھدی لما رد علی الشیخ شھاب الدین احمد الھندی فی تالیفہ علی قولہ تعالیٰ "فسحقاً لاصحاب السعیر"[1]

عرف الوردی فی نصرۃ الشیخ الہندی نامی کتاب محمد بن ابراہیم حلبی المعروف بہ ابن حنبلی متوفی سنہ ۹۷۱ھ کی تصنیف ہے، جس میں عبد اللطیف مشہدی کا رد ہے، مشہدی نے قاضی شہاب الدین کی ایک کتاب کا رد لکھا تھا جسے انھوں نے آیت "فسحقاً لاصحاب السعیر" کی تفسیر میں لکھا تھا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں کوئی کتاب لکھی تھی، جس کا رد شیخ عبد اللطیف مشہدی نے لکھا، اور مشہدی کے رد اور قاضی صاحب کی تائید میں شیخ محمد بن ابراہیم حلبی نے کتاب لکھی، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قاضی صاحب کی تصانیف عالم

---

[1] کشف الظنون ج ۲ ص ۱۱۲،

اسلام میں کس قدر مقبول و متداول تھیں، اور اُن کی بعض کتابوں پر علمائے اسلام میں جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ چلتا تھا، اور اس میں مستقل کتابیں لکھی جاتی تھیں،

**وفات** قاضی صاحب نے درس و تدریس، افتاء اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ پوری زندگی علوم اسلامیہ کی خدمت میں بسر کی، اور دہلی کالپی اور جونپور ہر جگہ اُن کا فیض جاری رہا، مگر جونپور میں اُن کی زندگی کا تقریباً چالیس سالہ دینی و علمی دور حاصل زندگی ہے، اور اُن کے جوہر یہیں آکر کھلے، اُن کے حالات کا بیشتر حصہ اسی دیار سے تعلق رکھتا ہے، قاضی صاحب کی وفات ۲۵ رجب ۸۴۸ھ یا ۸۴۹ھ میں جونپور میں ہوئی، اور اپنے محلہ خواجگی میں دفن کئے گئے، اخبار الاخیار و خزینۃ الاصفیاء میں ۸۴۸ھ ہے، اور اخبار الاصفیاء، اور سبحۃ المرجان، کشف الظنون، تذکرہ علمائے ہند، برکات الاولیاء، اور نزہتہ الخواطر میں ۸۴۹ھ درج ہے، اور اخبار الاصفیاء، سبحۃ المرجان، تذکرۂ علمائے ہند اور نزہتہ الخواطر میں ۲۵ رجب کی تصریح ہے، البتہ برکات الاولیاء میں ۲۵ شوال ہے، اس سلسلہ میں فرشتہ کا بیان سب سے جداگانہ ہے، وہ لکھتا ہے کہ سلطان ابراہیم سے قاضی صاحب کو اس قدر محبت تھی کہ سلطان کی وفات کے غم میں اسی کی وفات ۸۴۰ھ میں وہ بھی عالم قدس میں تشریف لے گئے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم کی وفات کے دو سال کے بعد ۸۴۲ھ میں ان کا طائر روح روضہ رضوان کی طرف پرواز کر گیا۔[1]

تجلی نور میں وفات اور مدفن کے بارے میں تصریح ہے:-

"مولانا شہاب الدین در جونپور بمحلہ خواجگی قیام پذیر رفت، و بعد مدت متصل

---

[1] تاریخ فرشتہ، ج ۲ ص ۳۰۶،



آن محلہ در دروازۂ جنوبی مسجد اٹالہ مدفن یافت، ہنوز قبرش سنگیں اندر احاطہ مشن اسکول موجود است، بسبب وادی زمانہ نشان مکانات و مدرسہ مولانا بے نشان گشت، و اولاد ایشاں ہم باقی نماندہ"[1]

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے حسب ذیل تاریخ وفات لکھی ہے،

شہاب الدین چوں رفت از عالم دہر — بجنت گشت روشن آں بہ علم

وصالش کن رقم "تو تیر اسلام" — دگر با "شہاب الدین بہ علم"

"جیسا کہ تجلی نور میں ہے قاضی صاحب کی اولاد کا سلسلہ نہیں چلا، اُن کی صرف ایک صاحبزادی تھیں، جن کا نکاح دہلی میں شیخ نصیر الدین بن شیخ نظام الدین غزنوی سے ہوا، اور وہیں اُن کے بطن سے قاضی صاحب کے تین نواسے شیخ صفی الدین، شیخ رضی الدین اور شیخ فخر الدین پیدا ہوئے، اور سب نے اپنے نانا سے تعلیم حاصل کی، اور انہی نواسوں نے اپنے نانا کے علوم و معارف کی میراث پائی، ان کے علاوہ قاضی صاحب کی علمی و روحانی اولاد ان کے تلامذہ تھے،

---

[1] تجلی نور ج ۲ صفحہ ۳۷،

# ادبیات

## غزل

از جناب ماہر القادری

کس وہم میں لے دل! تو گرفتار ہوا ہے
آنکھوں سے[1] کہیں دوست کا دیدار ہوا ہے؟

کشتی کبھی قسمت سے جو پہنچی ہے کنارے
کشتی سے اترنا مجھے دشوار ہوا ہے

وہ راہ میں چلتے ہوئے نظروں کا تصادم
پیمانِ محبت سرِ بازار ہوا ہے

جو چاہے سزا دیجئے دل اف نہ کرے گا
دل، جرمِ محبت کا گنہگار ہوا ہے

پرسش ہے، دعا ہے، نہ دوا ہے، نہ تسلی
ایسے بھی علاجِ دلِ بیمار ہوا ہے

ہر سمت ہیں سجدوں کے نشاں راہِ وفا میں
تب جا کے کہیں راستہ ہموار ہوا ہے

یہ گرمیِٔ احساس مری تشنہ لبی کی
اک شعلہ صراحی سے نمودار ہوا ہے

آتی ہے طبیعت تو پھر آتی ہے اندھا دھند
جب عشق ہوا ہے تو دھواں دھار ہوا ہے

یہ حال ہے سایہ بھی مرے واسطے ماہر
تپتی ہوئی جلتی ہوئی دیوار ہوا ہے

یہ ہجر کی شب ہے کہ شبِ قدر ہے ماہر
غم خانہ مرا جلوہ گہِ یار ہوا ہے

---

[1] لا تدرکہ الابصار



## غزل

از جناب اثیم کانپوری

وہ جانِ محبت ہیں، وہ جانانِ محبت
وابستہ انھیں سے ہیں سب ارمانِ محبت

ہے دل کی تڑپ سلسلہ جنبانِ محبت
نازک ہے بہت رشتۂ پیمانِ محبت

اتنا بھی نہ ہو کوئی پریشانِ محبت
مرکز سے ہٹے جاتے ہیں ارمانِ محبت

جنبش میں ہمیشہ رہے دامانِ محبت
ہر سانس رہے سلسلہ جنبانِ محبت

شرمندہ ہوں میں اک غلط اندازِ نظر کا
اللہ ری بے ربطیٔ عنوانِ محبت

آنسو ہیں کہ امنڈے چلے آتے ہیں دمادم
اک قطرۂ خوں دل میں ہے طغیانِ محبت

سوز ابدی شمع کی قسمت میں لکھا ہے
پروانہ نہیں سوختہ سامانِ محبت

بن جائے گا آئینۂ تصویر سراپا
حیرت کدۂ حسن میں حیرانِ محبت

یہ راہِ حقیقت ہے کوئی کھیل نہیں ہے
جاتے ہو کہاں بے سروسامانِ محبت

روشن ہے انھیں سے دلِ تاریک کی دنیا
جلوے جو چھپے ہیں تہِ دامانِ محبت

کچھ بھی تو اثیم اس کا ادا کر نہ سکے حق
ہم جان بھی دے کر ہیں پشیمانِ محبت

## غزل

از جناب جمیل احمد صاحب عطا ناگپوری

کیوں غم کا اثر لیتی دنیا بھی تماشائی
شبنم کے گرے آنسو غنچوں کو ہنسی آئی

چھیڑا تھا ابھی میں نے افسانہ محبت کا
دل کانپ اٹھا میرا وہ آنکھ جو بھر آئی

ہر وقت تصور ہے میں ہوں تیرے جلوے ہیں
نقل نظر آتی ہے صحرا کی بھی تنہائی

معلوم نہیں دنیا کیوں راہ میں حائل ہے
میں ان کا تمنائی وہ میرے تمنائی

ہم نے شب غم اپنی اس طرح گذاری ہے
سینے میں تیری یادیں لیتی رہیں انگڑائی

بگڑی ہوئی تقدیریں اس در پہ سنورتی ہیں
مایوس نہ ہو جانا اے شوق جبیں سائی

جب نام سنا ان کا رو کے نہ رکے آنسو
ہونا ہی پڑا مجھکو شرمندۂ رسوائی

اک جام میں کیا ہوگا، لا اور پلا ساقی
وہ دیکھ ہوا سنکی وہ دیکھ گھٹا چھائی

قسمت تو مری دیکھو محفوظ رہا ساحل
سو بار میری کشتی طوفان سے ٹکرائی

## طلسم شوق

از جناب وحید الدین خاں ایم اے علیگ

قدم منزل کی جانب خود بخود بڑھنے لگے پیہم
حجاباتِ مظاہر یک بیک اٹھنے لگے پیہم

یہ ہے ادنیٰ کرشمہ ارتقائے شوق پیہم کا
کہ اصنامِ نگاہِ شوق بھی گرنے لگے پیہم

کرن پھوٹی افق سے تیرگی ہونے لگی رخصت
طیور خوشنوا حمد و ثنا کرنے لگے پیہم

ادھر شبنم نے منہ دھو کر نکھارا غنچۂ و گل کو
ادھر جھونکے نسیم صبح کے چلنے لگے پیہم

عناصر کی کشاکش نے دکھائے دن یہ دنیا کو
کہ صدہا نقش ہائے زندگی مٹنے لگے پیہم

سمجھ میں آگیا کیا راز تخلیق دو عالم کا
کہ اجرام عناصر راہ سے ہٹنے لگے پیہم

یہ کون آیا تخیل میں کہ ہر تار نفس مہکا
کہ کلیاں مسکرائیں پھول بھی ہنسنے لگے پیہم

کہیں پھولوں کی نکہت میں کہیں کلیوں کی زینت میں
ہزاروں پردہ ہائے رنگ و بو اٹھنے لگے پیہم

نظر آنے لگے ہر شے میں جلوے حسن قدرت کے
نقوش ماسوا آئینہ سے مٹنے لگے پیہم

طلسم شوق ٹوٹا مظہر حسن ازل بن کر
ہوس کے جو نشیمن ہیں وہی جلنے لگے پیہم



# مطبوعات جدیدہ

**صبح مولانا ابوالکلام آزاد نمبر** - مرتبہ جناب عبداللطیف صاحب اعظمی، تقطیع خورد، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۲۰۰ - قیمت سے پتہ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو، حلی منزل، کوچہ پنڈت، دہلی ۶

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی یادگار میں بہت سے رسالوں نے خاص نمبر شائع کیے، اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، زیر نظر نمبر میں مولانا کی شخصیت، ادب و صحافت، افکار و نظریات اور بعض دوسرے کمالات سے متعلق سولہ مضامین شامل ہیں، صف اول کے ادیبوں اور اہل قلم میں مولانا عبدالماجد دریابادی، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر سید عابد حسین، مالک رام اور آل احمد سرور کے مضامین قابل ذکر و لایق مطالعہ ہیں۔ "ابوالکلام آزاد کا ذہنی پس منظر" (عتیق صدیقی) بھی اہم مضمون ہے، اور بڑی محنت و تحقیق سے لکھا گیا ہے، دو مضامین "افکار آزاد اور چند قومی مسائل" (ضیاء الحسن فاروقی) اور "مولانا آزاد اور فلسفۂ اشتراکیت" (نصرت بانو روحی) میں مولانا کے افکار و خیالات کی بعض تعبیریں و تشریحیں محل نظر ہیں، گو اس نمبر کے بعض مضامین پرانے ہیں، تاہم اس سے اس کی قدر و قیمت میں فرق نہیں آتا، اور یہ مولانا پر نکلنے والے اچھے نمبروں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے، فاضل مرتب نے اس کو سلیقہ سے مرتب کر کے مولانا سے اپنی عقیدت کا حق ادا کیا ہے۔

**شاعر نعت نمبر** - مرتبین جناب اعجاز صدیقی، مہندر ناتھ، ڈاکٹر محمد حسن

ندا فاضلی صاحبان، تقطیع متوسط، کاغذ بہتر، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۵۴۲
قیمت معمر، پتہ مکتبہ قصر الادب، پوسٹ بکس نمبر ۵۲۶ بمبئی ۲۔ بی۔ سی

یہ مشہور ادبی رسالہ شاعر کا ناولٹ نمبر ہے، جو اس حیثیت سے قابل ذکر ہے کہ اس میں موجودہ دور کے سترہ ناول نگاروں کے ناول اور ناولٹ کو یکجا کر دیا گیا ہے، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، کوثر چاند پوری، سہیل عظیم آبادی اور رام لعل وغیرہ مشاہیر ناول نگاروں کے نام اس کی کامیابی کی ضمانت ہیں، خواجہ احمد عباس، سہیل عظیم آبادی، رام لعل، واجدہ تبسم اور جوگندرپال کے ناول گہرے تجربات و مشاہدات پر مبنی اور تکنیک کے اعتبار سے دلکش ہیں، شروع میں ڈاکٹر محمد حسن نے موجودہ اردو ناول نگاری کا سرسری تنقیدی جائزہ لیا ہے، اس نمبر کی تزئین و آرائش کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے، عنوانات کی فہرست کے ساتھ ہی ناول و ناولٹ نگاروں کے فوٹو اور اندرونی سرورق پر ناولٹوں کے مرکزی خیال کو تصویروں کے ذریعہ نمایاں کیا گیا ہے، اس طرح یہ صوری حیثیت سے بھی دیدہ زیب ہے، ہر ناول نگار کے حالات و ادبی کمالات کا مختصر مرقع بھی دیا گیا ہے، شاعر کے گذشتہ خاص نمبروں کی روایت کے مطابق یہ نمبر بھی ضخیم اور بلند پایہ ہے، جو اردو ناول میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔ امید ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

**آجکل فلم نمبر۔** مرتبہ جناب شہباز حسین صاحب، تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۵۴۲ پتہ: پبلیکیشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی ۱

اس خاص نمبر میں فلم سے متعلق مختلف عنوانات کے تحت اس کے مختلف پہلوؤں پر مضامین شائع کیے گئے ہیں، اور فلموں کے آغاز وارتقا کی سرگذشت، ان کے بننے کے طریقے قومی فلمی ادارے، علاقائی زبانوں کی مشہور فلموں اور ان کے سماجی و جمالیاتی پہلوؤں وغیرہ



کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس نمبر کی اشاعت کا مقصد بیان کرتے ہوئے مرتب نے اعتراف کیا ہے کہ "مخرب اخلاق ہونے کا الزام اب بھی اس (فلم) پر عائد ہے، اور حقیقت پسندانہ اور زندگی کی صحیح و سچی عکاسی کرنے والی فلمیں کم مقبول ہوتی ہیں"۔ اور یہ واقعہ ہے کہ موجودہ فلمی صنعت سے سماجی و اخلاقی اصلاح اور دوسرے فوائد کم حاصل ہوتے ہیں، اور نوجوان ان سے اخلاقی جرائم کا سبق سیکھتے ہیں، اور کم سے کم مشرقی آداب و تہذیب سے میل نہیں کھاتا، اداریہ میں ادب اور فلم کا بنیادی مقصد تفریح بتایا گیا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو ان سے مفید نتائج پوری طرح برآمد نہیں ہو سکتے، اخلاقی اقدار کو اضافی بتانا عجیب ہے، اس نمبر میں فلم سازی خصوصاً ہندوستانی فلموں سے متعلق متنوع معلومات اور مشہور فلمی کلاکاروں کے فوٹو بھی دیے گئے ہیں۔

**فروغ اردو محسن کاکوروی نمبر۔** مرتبہ جناب محمد حسین شمس علوی صاحب، تقطیع کلاں کاغذ، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۲۰۰، قیمت ۳؍، پتہ ادارۂ فروغ اردو امین آباد پارک، لکھنؤ۔

فروغ اردو کے خاص نمبر اکثر نکلتے رہتے ہیں، یہ نمبر اردو کے مشہور نعت گو حسان الہند حضرت محسن کاکوروی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے شائع کیا گیا ہے، وہ اگرچہ بڑے پایہ کے شاعر تھے، اور ہر صنف سخن پر پوری قدرت رکھتے تھے، مگر عشق نبوی نے مدح رسول کے سوا ان کی زبان کو اور اصناف سخن سے زیادہ آلودہ نہیں ہونے دیا، نعت گوئی مشکل بھی ہے اور نازک بھی، انھوں نے احتیاط اور ادب و محبت کے حدود میں وہ گلکاریاں کی ہیں جس کی نظیر اردو شاعری میں نہیں ملتی، اس نمبر کے مضامین میں محسن کے نعتیہ کلام کے خصوصیات اور نعت گوئی میں ان کا کمال دکھایا گیا ہے اور

بعض مضامین میں ان کی شخصیت اور حالات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، آخر میں ان کے نعتیہ کلام کا مختصر انتخاب ہے، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی اور ڈاکٹر انوار الحسن کے مضامین اور مولانا عبدالماجد دریابادی کا پیغام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

**جمعیۃ ٹائمز مسلم یونیورسٹی نمبر۔** مرتبہ جناب علی محمد صاحب تقطیع کلاں، قیمت عہ ۵۰ کاغذ، کتابت وطباعت اچھی۔ پتہ:- ۶۱۲ ٹیا محل دہلی،

دہلی کے ہفت روزہ جمعیۃ ٹائمز کے علی گڑھ نمبر کا غلغلہ کئی مہینوں سے بلند تھا، اس کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، کہ مرکزی حکومت نے اس کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی، اس لیے فسادات سے متعلق حصہ شائع نہیں ہو سکا، اور اس نمبر میں صرف یونیورسٹی سے متعلق مضامین ہیں جس میں یونیورسٹی کی اہمیت، اس کے مقاصد اور گذشتہ وموجودہ حالات کا ذکر اور یونیورسٹی کی خصوصیات کو جس طرح ختم کیا گیا ہے، اس کی تفصیل ہے، اور آئندہ پیش ہونے والے یونیورسٹی بل کے متعلق مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی اور حکومت سے اس کے کردار کے تحفظ کا مطالبہ کیا گیا ہے، بعض مضامین میں لہجہ جذباتی اور سخت ہو گیا ہے، ایک مضمون سرسید کے تعلیمی نظریات پر بھی ہے، اور بعض موثر نظمیں بھی ہیں، اس نمبر کی اشاعت نے وقت کی ایک ضرورت کو پورا کیا ہے۔

**مرزا غالب۔** مرتبہ ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۲۸۰ مجلد مع گرد پوش، قیمت عے روپے، پتہ:- (۱) پرشوتم سنگھ سیٹھی، مادھا بھون، ڈیمپیئر روڈ، لکھنؤ، (۲) ڈاکٹر امرت لعل عشرت، رائے بھون، بھیلو پور، کالونی، بنارس۔

غالب صدی کے موقع پر غالب صدسالہ جشن کمیٹی یو، پی کی جانب سے نظم ونثر کے



مضامین کا یہ مجموعہ شائع کیا گیا تھا جس کو کمیٹی کے ایڈیٹوریل بورڈ کے کنوینر اور بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے صدر جناب امرت لعل عشرت نے ترتیب دیا ہے، مضمون نگاروں میں فراق گورکھپوری، ڈاکٹر سید اعجاز حسین، جگن ناتھ آزاد، جوش ملسیانی احتشام حسین، اور خود فاضل مرتب اور شعراء میں آنجہانی تلوک چند محروم، نذیر بنارسی اور نازش پرتاب گڈھی کے نام قابل ذکر ہیں، جگن ناتھ آزاد کا مضمون "غالب اور اقبال" گو پہلے چھپ چکا ہے، مگر خاصے کی چیز ہے، سب سے زیادہ مبسوط مضمون "غالب کا مذہبی عقیدہ" (سید سلیمان عباس رضوی) ہے، اس میں غالب کو شیعی ثابت کیا گیا ہے، ان کی شیعیت صحیح ہو یا غلط، اس مضمون کے انداز تحریر سے دوسرے فرقہ کے لوگوں کی دل آزاری ہو سکتی ہے، مجموعی حیثیت سے غالب پر اچھی پیش کش ہے۔

**سیر غالب۔** مرتبہ جناب حکیم ابوالحسنات بیدل فاروقی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۵۶۔ قیمت للعہ پتہ:- مکتبہ دار الحسنات میرکوٹ، سہارن پور۔

یہ کتاب مرزا غالب مرحوم کی مختصر سوانح عمری ہے، اس میں ان کے خاندانی حالات پیدائش سے وفات تک کے واقعات اور اخلاق وعادات کے ساتھ ان کے ادبی کارناموں کا تذکرہ ہے، تصنیفات پر تبصرہ اور شاعری و انشا، پردازی کی خصوصیات وغیرہ بھی بیان کی گئی ہیں، مصنف اگرچہ سن رسیدہ ہیں لیکن غالباً یہ ان کی پہلی تصنیف ہے، اس لیے اس کی ترتیب میں ناہمواری، طرز تحریر میں الجھاؤ، الفاظ اور جملوں کے دروبست میں ناپختگی اور زبان وبیان میں خامی پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ اس میں رطب ویابس ہر قسم کا مواد شامل کر لیا گیا ہے، اس کے باوجود مصنف کی محنت قابل ستائش ہے۔

**قادر نامہ غالب** ۔ مرتبہ جناب عبد القوی دسنوی صاحب تقطیع خورد

کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۳۲، قیمت ایک روپیہ ۵۰ پیسے ۔

پتہ: شعبۂ اردو سیفیہ کالج، بھوپال ۔

جناب عبد القوی دسنوی صدر، شعبۂ اردو، سیفیہ کالج، بھوپال، غالب پر متعدد تحقیقی مضامین اور کتابچے لکھ چکے ہیں، اب انھوں نے قادر نامہ غالب کا متن ایڈٹ کرکے شائع کیا ہے، یہ مختصر اور دلچسپ منظوم کتاب مرزا نے اپنے متبنیٰ عارف کے دونوں بچوں باقر علی خاں اور حسن علی خاں کے لیے لکھی تھی، گو اس کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں، لیکن عبد القوی دسنوی صاحب نے اس کو اس پروگرام کے مطابق شائع کیا ہے جو شعبۂ اردو سیفیہ کالج نے بچوں کو عربی، فارسی، ترکی اور ہندی کے ہم معنی الفاظ سکھانے کے لیے بنایا ہے، اور جس کے ماتحت وہاں سے اس نوع کی اور کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں، شروع میں لائق مرتب کے قلم سے ایک مختصر و جامع پیش لفظ بھی ہے، اس میں قادر نامہ کے غالب کی تصنیف ہونے کے دلائل تحریر کیے گئے ہیں، امید ہے غالب کے قدر دانوں کے حلقے میں یہ کتاب پسند کی جائے گی۔

**نقشہائے رنگ رنگ** ۔ مرتبہ جناب عطا کاکوی صاحب، تقطیع خورد

کاغذ، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۹۶ قیمت ۳ پتہ: عظیم الشان بکڈپو

سلطان گنج، پٹنہ ۔ ۶

یہ غالب کے فارسی کلام کا ایک مختصر انتخاب ہے، جو غزلیات، قطعات، قصائد، رباعی مثنوی اور خمسہ وغیرہ مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے، مرزا کو اپنی فارسی شاعری پر زیادہ ناز تھا، اس حیثیت سے انکے فارسی کلام کی یہ قدر دانی لائق تحسین ہے، مگر اس کی قیمت زیادہ ہے۔

"ض"



جلد ۱۰۸ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۱ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۷۱ء عدد ۵

مضامین



---

**تصحیح** گذشتہ مہینہ جمیل احمد صاحب ناگپور کے نام سے جو غزل شائع ہوئی ہے وہ محمد شرف الدین صاحب ساحل کی ہے غلطی سے جمیل احمد صاحب کے نام سے شائع ہو گئی ہے، مقطع میں "محفوظ رہی" کے بجائے "محفوظ رہے" چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کرلیں۔ "م"